ملتِ اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

ماہنامہ

مُحدّث

لاہور پاکستان

396 | دسمبر 2024

مدیرِ اعلیٰ

ڈاکٹر حافظ عبد الرحمٰن مدنی ؒ

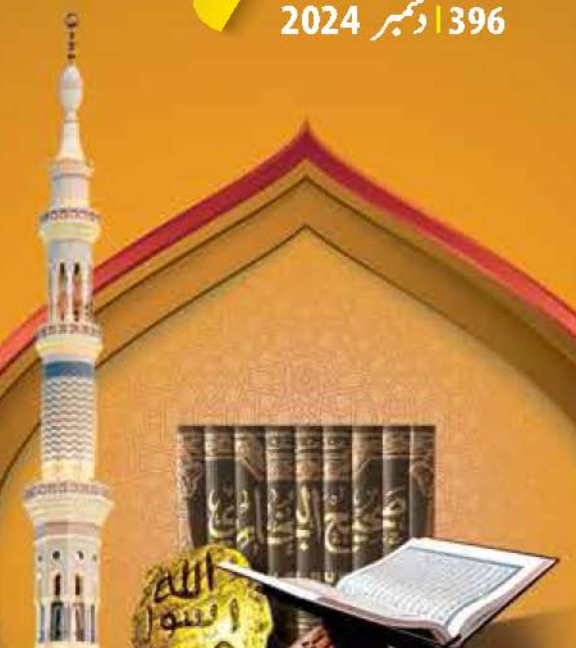

7 اختلاف میں آداب کا خیال رکھیے

20 قرآن وسنت کی تشریح میں فہم سلف کی اہمیت

46 شیخ ابن عربی کا تصورِ ختم نبوت

جامعۃ لاہور الاسلامیۃ

ISLAMIC RESEARCH COUNCIL

مجلس التحقیق الاسلامی

تبلیغ دین کے لیے مجلس التحقیق الاسلامی کی عظیم الشان

ویب سائٹس

زیر سرپرستی	زیر نگرانی	علمی معاونت	فنی معاونت
ڈاکٹر حافظ عبدالرحمٰن مدنی	ڈاکٹر حافظ انس نضر	قاری مصطفیٰ راسخ	انجینئر محمد شاکر اعوان
ڈاکٹر حافظ حسن مدنی	ڈاکٹر حافظ حمزہ مدنی	قاری خضر حیات	انجینئر عمیر حسن راجہ

محدث
Mohaddis.com

محدث لائبریری
Kitabosunnat.com

محدث فتویٰ
UrduFatwa.com

محدث میگزین
Magazine.Mohaddis.com

محدث فورم
Forum.Mohaddis.com

خصوصیات

- اسلامی کتب، مضامین اور فتاویٰ کے لیے مقبول ترین اور روزانہ اپڈیٹ ہونے والی ویب سائٹس۔
- اسلامی لٹریچر اور شرعی مسائل کے لیے دنیا بھر سے ملنے والے مطالبوں کی تکمیل
- یومیہ مناسبت کے مطابق خصوصی مضامین
- تمام ویب سائٹس اردو زبان میں
- تمام ویب سائٹس پر تبصرے وجائزے اور تاثرات وشماریات کی سہولت

جاری پروگرام

محدث
Mohaddis.com
احادیث نبویہ کا عظیم ذخیرہ، ترجمہ اور تحقیق وتخریج کی سہولت کے ساتھ

محدث لائبریری
Kitabosunnat.com
- یومیہ 3 کتب کا اضافہ (PDF)
- حالات کی مناسبت سے اہم مضامین

محدث فتویٰ
UrduFatwa.com
- تمام سلفی مطبوعہ فتاویٰ جات کی اپ لوڈنگ (نئے پیش آمدہ مسائل کے فوری جوابات)

محدث میگزین
Magazine.Mohaddis.com
47 سال کے مطبوعہ تمام شمارے
(Unicode / PDF)

محدث فورم
Forum.Mohaddis.com
موضوعات: 34,261 ترسیلات: 279,857
اراکین: 4930

یومیہ 25000 وزیٹر
ہر لمحہ 3000 قارئین

مستقبل کے منصوبے

- محدث یونیکوڈ لائبریری
- محدث بلڈ بنک
- محدث آڈیو، ویڈیو سیکشن
- رسائل وجرائد سیکشن

ماہانہ اخراجات سوا تین لاکھ روپے

زیر اہتمام: مجلس التحقیق الاسلامی 99-J ماڈل ٹاؤن، لاہور
Mobile:+92 322 7222288
anasnazar99@gmail.com
Account: kitabosunnat.com, 0093-01875659, Bank AlFalah, Urdu Bazar, Lahore Swift Code: ALFPKKA093
Designing: AK 0321-4966404

ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

مُحدّث

لاہور پاکستان

مدیر اعلیٰ
ڈاکٹر حافظ عبد الرحمن المدنی ؒ

مدیر منتظم
ڈاکٹر حافظ حمزہ مدنی

مدیر
ڈاکٹر حافظ محمد زبیر

جلد 55 دسمبر 2024ء/جمادی الآخرۃ ۱۴۴۶ھ عدد 04

مجلس مشاورت

▪ مولانا ارشاد الحق اثری ▪ حافظ ثناء اللہ زاہدی ▪ حافظ عبد العزیز علوی ▪ ڈاکٹر حافظ حسن مدنی
▪ حافظ محمد شریف ▪ حافظ مسعود عالم ▪ ڈاکٹر حافظ محمد اسحاق زاہد ▪ حافظ محمد امین محمدی

فہرست مضامین

فکر و نظر — عبد الرحمن عزیز
خاوند کے دوسرے نکاح سے پہلی بیوی کو نکاح ختم کرنے کا حق 4

آدابِ اختلاف — پروفیسر محمد یٰسین ظفر
اختلاف میں آداب کا خیال رکھیے 7

عقائد اهل السنة — افادات: ڈاکٹر حافظ عبد الرحمن مدنی
شرح کتاب التوحید (صحیح بخاری) 10

منہج سلف — ڈاکٹر عبید الرحمن محسن
قرآن و سنت کی تشریح میں فہم سلف کی اہمیت 20

ختمِ نبوت — ڈاکٹر حافظ محمد زبیر
شیخ ابن عربی کا تصورِ ختم نبوت 46

تعارف کتب — محمد زکریا رفیق
جامع تراث الالبانی فی المنہج 60

مدیر معاون
عبد الرحمن عزیز
0308-4131740

مینیجر
محمد اصغر
0305-4600861

زرِ سالانہ =/600 روپے
فی شمارہ =/100 روپے

بیرونِ ملک
زرِ سالانہ =/30 ڈالر
فی شمارہ =/5 ڈالر

Monthly Muhaddis
A/c No: 984-8
UBL-Model Town
Bank Squre Market, Lahore.

دفتر کا پتہ
99 جے، ماڈل ٹاؤن، لاہور 54700
042-35866396, 35866476
Email:
Mohaddislhr@gmail.com

Publisher:
Hafiz Abdur Rahman Madni
Printer:
Shirkat Printing Press, Lahore.

Islamic Research Council

محدث کتاب و سنت کی روشنی میں آزادانہ بحث و تحقیق کا حامی ہے! ادارہ کا مضمون نگار حضرات سے کلی اتفاق ضروری نہیں!

خاوند کے دوسرے نکاح پر پہلی بیوی کو شادی ختم کرنے کا حق

مسلمانان برصغیر نے ارض پاکستان اس لیے حاصل کیا تھا کہ وہ دین اسلام کے احکام پر آزادانہ طور پر عمل پیرا ہو سکیں۔ اس عظیم مقصد کے حصول کے لیے انہوں نے بے پناہ جان و مال اور عزت و آبرو کی قربانیاں دیں، یہ انسانی تاریخ کی سب سے بڑی ہجرت تھی۔ پاکستان کے حصول کی جدوجہد کرتے ہوئے اس کے مقصد میں کسی شخص کو خواہ وہ مسلمان تھا یا ہندو یا انگریز اس میں شبہ نہیں تھا کہ مسلمان الگ ملک کا مطالبہ محض اسلام کو عمل میں لانے کے لیے کر رہے ہیں۔ تحریک پاکستان کے تمام قائدین بھی اس مقصد پر متفق تھے، جس کا اظہار ہر جلسے اور اجلاس میں ہوتا تھا، بلکہ تحریک پاکستان کا سب سے مشہور نعرہ ہی یہ تھا:

پاکستان کا مطلب کیا لا الہ الا اللہ

لیکن افسوس کہ پاکستان معرض وجود میں آیا تو انتظامی عہدوں پر وہی لوگ براجمان ہوئے جو پہلے انگریز حکومت کا حصہ تھے، اس لیے نیا ملک بننے کے باوجود اس کے انتظام و انصرام میں کوئی تبدیلی آئی نہ دفاتر میں بیٹھے ہوئے بابوؤں کے لب و لہجہ میں کوئی فرق پڑا۔ آج بھی سرکاری دفاتر میں قوم کے افراد کے ساتھ وہی رویہ اختیار کیا جاتا ہے جو انگریز اپنی محکوم قوم کے ساتھ اختیار کرتے تھے۔

یہی صورتحال پالیسی ساز اداروں کی ہے، وہاں کام کرنے والے افراد کی اکثریت دو انگریزی اداروں کی فارغ التحصیل ہے، جو ایک گروپ ہیں، یہ پورے پر ملک پر امر بیل کی طرح چھا چکے ہیں۔ ان میں سے اکثر مغربی ممالک کی بھی شہریت رکھتے ہیں، وہ پاکستان سے بڑھ کر مغربی آقاؤں کے وفادار ہیں۔ انہیں ملک کے حقیقی مفادات اور قوم کی امنگوں سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ ہمیشہ سے ان کی یہ کوشش رہی ہے کہ ملک کو اس کی اسلامی اساس سے دور رکھا جائے۔ وہ مغربی اور لادینی افکار کے مطابق یہاں قانون سازی کرتے اور انہی اصولوں پر ملک کو چلاتے ہیں۔

پرویزی دور میں نکاح کے لیے مغرب میں رائج عمر کی شرط یہاں بھی لاگو کر دی گئی، اس سے کم عمر میں نکاح کرنے پر لڑکے، لڑکی کے اولیا اور نکاح خواں تینوں پر مقدمہ درج کرنے کا حکم دے دیا۔ جبکہ کم عمری میں

جنسی تعلقات قائم کرنے پر کوئی قانون بنایا گیا اور نہ ہی عدالت نے کوئی فیصلہ دیا۔ بلکہ زنا کی تعریف بدل کر صرف ریپ (زبردستی) کو زنا قرار دے دیا گیا۔ یعنی اگر عورت بدکاری پر راضی ہے تو وہ زنا اور جرم نہیں ہو گا۔

پاکستان میں نکاح، طلاق اور دیگر عائلی معاملات سے متعلق قوانین کو 'مسلم فیملی لا' کے تحت ڈیل کیا جاتا ہے۔ مسلم فیملی لا سنہ ۱۹۶۱ میں آرڈیننس کی شکل میں نافذ ہوا تھا۔ اس کی دفعہ ۶ میں لکھا ہوا ہے کہ پہلی شادی کی موجودگی میں کوئی شخص دوسری شادی اس وقت تک نہیں کر سکتا جب تک کہ وہ آربیٹریشن کونسل (یونین کونسل) سے اس ضمن میں تحریری اجازت نامہ نہ حاصل کر لے اور اس اجازت نامہ کے حصول میں پہلی بیوی سے اجازت لینا بھی شرط ہے۔ اگر اوپر بیان کی گئی قانونی کاروائی مکمل کیے بغیر کوئی شخص شادی کرتا ہے تو اس کی سزا ایک سال قید اور پانچ لاکھ تک جرمانہ ہے۔

سنہ ۲۰۱۳ میں اسلامی نظریاتی کونسل نے حکومت پاکستان کو دوسری شادی سے متعلقہ پیشگی شروط اور قانونی تقاضوں کو ختم کرنے کی تجویز دی تھی اور کہا تھا کہ اسلام میں چار شادیوں کی اجازت دی گئی ہے۔ اگر پہلی بیوی راضی نہ بھی ہو تب بھی دوسری، تیسری یا چوتھی شادی کرنا غیر شرعی نہیں ہے۔

اب گزشتہ دنوں سپریم کورٹ نے مرد کے اس شرعی اور فطری حق کو نظر انداز کرتے ہوئے ایک قدم آگے بڑھ کر بغیر اجازت دوسری شادی کرنے پر پہلی بیوی کو نکاح ختم کرنے کا حق دے دیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مرد کے دوسری شادی کرنے سے عورت کا کوئی حق تلف نہیں ہوتا، ہاں عدل نہ کرنے سے حقوق پامال ضرور ہوتے ہیں، اسی لیے خالق کائنات نے عدل نہ کرنے والے کو ایک شادی تک محدود کیا ہے، ارشاد فرمایا:

﴿ فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً ﴾

[النساء: ۳]

"تو تم نکاح کرو ان عورتوں سے جو تمہیں پسند ہیں دو دو، تین تین اور چار چار، اگر تم ڈرو کہ عدل نہ کر سکو گے تو پھر ایک ہی رکھو۔"

اس کے برعکس اگر مرد کے دوسری شادی کرنے پر پابندی لگائی جاتی ہے تو اس سے واضح طور پر مرد کا وہ حق تلف ہوتا ہے جو اس کو خالق ومالک نے دیا ہے۔ نکاح ختم کرنے کا حق عورت کو دو صورتوں میں دیا جاتا ہے:

ایک، جب کوئی ایسا حادثہ رونما ہو جائے جو نکاح کی بنیادوں کے خلاف ہو، جس سے شرعی اعتبار سے نکاح ختم ہو جاتا ہے اور عورت کو اجازت دی جاتی ہے کہ وہ قانونی طور پر نکاح ختم کر دے۔ جیسا کہ ہائی کورٹ نے ایک مسلمان مرد کے قادیانی بننے پر اس کی بیوی کو نکاح ختم کرنے کی اجازت دی تھی، اور یہی فیصلہ آگے چل

کر قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دینے کا سبب بنا تھا۔

دوسری، کہ مرد کوئی ایسا عمل کرے جس سے عورت کے وہ حقوق ختم ہو جائیں یا انہیں شدید نقصان پہنچے جو نکاح کے سبب حاصل ہوتے ہیں۔ جبکہ مرد کے دوسرا نکاح کرنے سے عورت کا کوئی حق پامال نہیں ہوتا۔

ایک شادی کا قانون فطرت کے بھی خلاف ہے، یہ پڑھی لکھی حقیقت ہے کہ چند ایک ممالک کے سوا پوری دنیا میں عورتوں کی پیدائش مردوں سے زیادہ ہے، مزید حوادث میں مردوں کی اموات بنسبت عورتوں کے زیادہ ہوتی ہے، اس کے علاوہ خالق کائنات نے عورت میں برداشت مرد سے کہیں زیادہ رکھی ہے، جس صدمے سے مرد جان کی بازی ہار جاتا ہے عورت اسے بآسانی برداشت کر لیتی ہے، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ عورتوں کی تعداد مردوں کی نسبت ہمیشہ زیادہ رہتی ہے۔ شادی کرنا مرد و زن کا بنیادی حق ہے۔ مردوں کو ایک شادی تک محدود کر دیا جائے تو اضافی عورتوں کو یہ حق ملنے کی کیا صورت ہو گی؟ عورت کی کمزور تخلیق کے سبب اسے اپنی زندگی کی ضروریات پوری کرنے کے لیے مرد کی ضرورت ہوتی ہے، جب کسی عورت کا شوہر کسی حادثے میں فوت ہو جاتا ہے تو وہ بلا نکاح کیسے زندگی بسر کرے گی؟ کیا ایک شادی کے اس قانون نے عورت کے لیے زندگی کو مشکل نہیں کر دیا، جبکہ قانون سازی کا مقصد لوگوں کے لیے تنگی ختم کرنا اور سہولت و آسانی پیدا کرنا ہوتا ہے۔

شادی کا ایک مقصد نسل انسانی کی آبیاری ہے، اگر عورت بانجھ ہے اور وہ مرد کو دوسری شادی کرنے کی اجازت بھی نہیں دیتی تو آپ کا قانون کیا کہتا ہے؟ رواں سال ماہ مارچ میں لاہور کی ایک عدالت نے پہلی بیوی سے تحریری اجازت لیے بغیر دوسری شادی کرنے والے شخص کو سات ماہ قید اور پانچ لاکھ روپے جرمانے کی سزا سنائی ہے۔ حالانکہ اس نے اس لیے دوسری شادی کی تھی کہ اس کی پہلی بیوی شادی کے دس سال تک حاملہ نہ ہوئی، کیا ایسے مرد کو یہ سزا دینا اس کی حق تلفی نہیں ہے؟

جب اللہ تعالیٰ نے بحیثیت خالق و مالک ایک مسئلے کا فیصلہ کر دیا ہے تو پھر عدالت اس کے برعکس فیصلہ کرے تو یہ فیصلہ اللہ تعالیٰ کے خلاف ہے، جو کسی مسلمان جج کو زیب نہیں دیتا ہے، خصوصاً ایسے ملک میں جس کے قانون میں لکھا ہوا ہے کہ حاکمیت اعلیٰ اللہ تعالیٰ کی ہے، بندے اس کی نیابت میں اسے استعمال کرتے ہیں۔ مزید لکھا ہے کہ کتاب و سنت کے خلاف کوئی قانون نہیں بنایا جا سکتا۔ اس حوالے سے پاکستان کے شہری سمجھتے ہیں کہ سپریم کورٹ کا یہ فیصلہ آئین پاکستان کے بنیادی ڈھانچے اور کتاب و سنت کے صریح خلاف ہے اور اس سے مرد کے بنیادی حقوق تلف ہوتے ہیں، جس کی اجازت نہ شریعت دیتی ہے اور نہ دنیا کا کوئی قانون دیتا ہے۔ لہٰذا پارلیمنٹ کو اپنے قانون اور عدالت کو اپنے فیصلے پر نظر ثانی کرنی چاہیے۔ (عبد الرحمن عزیز)

اختلاف میں آداب کا خیال رکھیئے

پروفیسر محمد یسین ظفر[1]

دنیا میں انبیاء علیہم السلام کے علاوہ کوئی شخص معصوم نہیں ہے۔ ہر شخص سے غلطی کا امکان موجود ہے اور وہ متنازعہ ہو سکتا ہے۔ ایسی صورت میں جب کسی مسئلے میں اختلاف ہو جائے تو آدابِ اختلاف کو مدنظر رکھا جائے، اخلاقی قدروں کو نظر انداز نہ کیا جائے۔ اختلاف تعمیری اور مثبت ہو، علمی اور اصولی ہو، الفاظ مناسب اور انداز سلجھا ہوا ہو، تاکہ آپ کا وقار مجروح نہ ہو اور اس سے مثبت نتائج برآمد ہوں، مثلاً:

① حکمت و دانائی: اختلاف کرنے سے پہلے یہ ضرور دیکھیں کیا اس میں اختلاف کی گنجائش ہے، اگر دو رائے ہو بھی جائیں تو کسی کے لیے کوئی مسئلہ نہیں، تو اس پر خاموش رہنا حکمت ہے، ضروری نہیں کہ صرف آپ کا موقف ہی درست ہو۔ اگر آپ سمجھتے ہیں کہ اس بات میں دوسری رائے کی گنجائش نہیں ہے اور وہاں اپنی رائے کا اظہار کرنا خاموش رہنے سے بہتر ہے تو آدابِ اختلاف کا خیال رکھتے ہوئے ضرور بات کریں۔

② بدگمانی سے بچیں: اپنے مخالف کے بارے میں بدگمانی کی بجائے حُسنِ ظن سے کام لیں، ممکن ہے وہ اپنی بات مکمل بیان نہ کر پایا ہو، آپ کو متکلم کی جس بات سے اختلاف ہو اس کی وضاحت بھی متکلم سے کروائی جائے نہ کہ خود ہی وضاحت شروع کر دیں۔ کیونکہ کسی کی بات کی وہی تشریح و توضیح معتبر ہوگی جو خود متکلم کرے گا، اس کی بات پر آپ کی تشریح قابلِ قبول نہیں، کیونکہ اس طرح ہر شخص اپنی مرضی کا مطلب نکالے گا جس کی وجہ سے مزید غلط فہمیاں پیدا ہوں گی۔

③ صبر و تحمل: کسی کی بات کو کاٹ کر بات نہ کریں، بلکہ مخالف کی بات مکمل ہونے دیں، پھر نہایت تحمل سے اپنی بات کریں، کیونکہ دوسرے کے موقف کو سمجھنے میں وقت لگتا ہے لہٰذا صبر و تحمل سے غور کریں۔

④ احترام: ایک عالم اور دانش مند شخص اپنے مخالف کا احترام ہمیشہ برقرار رکھتا ہے، اختلاف کرتے ہوئے کبھی کسی کو برے القاب سے نہ پکاریں اور نہ ہی اس کی اہانت کریں۔ غور کریں کہ طلاق صرف دو افراد یا

[1] ناظم اعلیٰ وفاق المدارس السلفیہ

دو گھرانوں میں ہی نہیں بلکہ دو خاندانوں کے درمیان اختلاف اور افتراق کا سبب ہوتی ہے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے طلاق کے احکام بیان کرنے کے دوران اختلاف کے اس اہم ترین ادب کا تذکرہ یوں فرمایا:

﴿وَلَا تَنسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ﴾ [البقرۃ:۲۳۷]

"اور آپس کی فضیلت اور بزرگی کو فراموش نہ کرو۔"

جب طلاق ایسے اختلاف وافتراق کے دوران دوسرے کے مقام ومرتبہ کا خیال رکھنا ضروری ہے تو شرعی مسائل میں اختلاف کرتے ہوئے، جہاں دونوں طرف علماء ہوتے ہیں اسے کیونکر فراموش کیا جاسکتا ہے!

⑤ نرمی اور بردباری: اپنے مدمقابل سے نرمی کے ساتھ بات کریں، غصے سے پرہیز کریں اور آواز کو بلند نہ ہونے دیں۔ اس طرح آپ کا ابلاغ بہتر اور آپ کی دلیل زیادہ مؤثر ہو سکتی ہے۔

⑥ دلیل کی بنیاد پر گفتگو: اپنا موقف دلیل سے پیش کریں، سنی سنائی اور بے بنیاد باتوں سے اجتناب کریں، معتبر کتب وذرائع کا حوالہ دیں، کیونکہ دلیل ہی بات میں زور اور وزن پیدا کرتی ہے۔

⑦ حق کو تسلیم کرنا: دوسرے کے موقف کو سننے کے بعد جو بات حق ہو اسے تسلیم کرنے میں تامل نہ کریں، ضد اور ہٹ دھرمی سے کام نہ لیں، یہی ایک عالم کی شان ہے۔

گزشتہ ماہ دنیائے اسلام کے ممتاز داعی جناب ڈاکٹر ذاکر نائیک ﷾ پاکستان تشریف لائے۔ انہوں نے مختلف مقامات پر عوامی اجتماعات سے خطاب کیے۔ جسے اکثریت نے پسند کیا، بلکہ مخالفین نے بھی ان کی تعریف کی، لیکن ان کی روانگی سے ایک دن پہلے بعض محترم علماء کرام نے ان پر تنقید کی اور ان کی بعض باتوں سے شدید اختلاف کیا۔ یہاں تک کہ بعض نے جوشِ خطابت میں انہیں "جاہل" بھی کہا جو کہ غیر مناسب بات ہے۔ اس لیے کہ علمی اعتبار سے ہم میں کوئی بھی ایسا نہیں جو تمام علوم کا احاطہ کر سکتا ہو۔ ایسا ہو سکتا ہے ایک آدمی شرعی علوم کا ماہر ہو لیکن علم الابدان میں جاہل ہو۔ ایک شخص علم الفرائض کا ماہر ہو مگر علم الحدیث میں کمزور ہو اور یہ صورتحال ہم سب میں موجود ہے۔ قرآن حکیم میں ہے:

﴿وَفَوْقَ كُلِّ ذِي عِلْمٍ عَلِيمٌ ﴿٧٦﴾﴾ [یوسف: ۷۶]

"اور ہر صاحب علم سے اوپر ایک علم والا ہے۔"

مفسر قرآن حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

يكون هذا أعلم من هذا وهذا أعلم من هذا والله فوق كل عالم [1]

---

1 تفسیر طبری:۱۶/ ۱۹۲

"ایک علم والا دوسرے سے افضل ہوتا ہے اور کبھی وہ بلند ہوتا ہے اور اللہ ہر عالم سے بالاتر ہے۔"

اور امام حسن بصری رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

ليس عالمٌ إلا فوقه عالم، حتى ينتهي العلم إلى الله۔[1]

"کوئی عالم نہیں جس سے بلند تر دوسرا عالم نہ ہو، اس طرح علم کی انتہا اللہ تعالیٰ پر ہوتی ہے۔"

ڈاکٹر ذاکر نائیک حفظہ اللہ MBBS ڈاکٹر ہیں۔ اس سبب سے اپنی گفتگو میں بعض دفعہ طِبّ کے حوالے سے بات کرتے ہیں، جو لوگ اس سے ناواقف ہیں بلاشبہ وہ علم الطب میں جاہل ہیں۔ اس لیے بہتر ہے کہ ہمیں اس طرح کی گفتگو سے احتیاط کرنی چاہیے۔ ہم سب جانتے ہیں سورۃ الکہف میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ ذکر کیا جو اللہ کے حکم سے ایک اللہ کے بندے کی تلاش میں نکلے تاکہ ان سے علم حاصل کریں، فرمایا:

﴿ فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَآ اٰتَيْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا ۝ ﴾

[الکهف: ٦٥]

"(موسیٰ اور ان کے شاگرد یوشع نے) پایا ہمارے بندوں میں سے ایک بندے کو، جسے ہم نے اپنی طرف سے رحمت سے نوازا تھا اور اپنی جانب سے علم عطا کر رکھا تھا۔"

مقصد واضح ہے کہ کسی کے پاس بھی علم مکمل نہیں ہو سکتا، فرمایا:

﴿ وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا ۝ ﴾ [الإسراء: ٨٥]

"اور جو تمہیں علم دیا گیا ہے وہ بہت تھوڑا ہے۔"

اس لیے ڈاکٹر ذاکر نائیک کے بارے میں بھی ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہ تمام علوم کا احاطہ نہیں کر سکتے اور نہ ہی ان کا یہ دعویٰ ہے۔ البتہ تقابلِ ادیان میں اللہ تعالیٰ نے انہیں جو مہارت دی ہے وہ کسی اور کے حصے میں نہیں آئی۔ ہمیں یہ تو تسلیم کرنا چاہیے۔ باقی جن باتوں سے اختلاف ہو بہت بہتر ہے کہ ان سے ہی اس کی وضاحت کرائی جاتی تو معاملہ ختم ہو جاتا۔ لیکن ایسا نہ ہو سکا!

ہماری تمام معزز علماء کرام سے درخواست ہے کہ وہ ڈاکٹر صاحب کا ذکر کیے بغیر اپنا موقف پیش فرمادیں۔ قرآن وحدیث کے مطابق جو صحیح بات ہے اس سے عوام کو آگاہ فرمائیں۔ آپ سب داعی ہیں، ہم دل سے آپ کی قدر کرتے ہیں اور آپ کے اخلاص پر بھی شک نہیں۔ لیکن اُسلوبِ دعوت میں حکمت سے کام لیں۔ امید ہے اس سے معاملہ بھی حل ہو جائے گا اور کسی کی دل آزاری بھی نہیں ہو گی۔

1 تفسیر طبری: ۱۶/ ۱۹۳

شرح کتاب التوحید (صحیح بخاری)

قسط (۷)

افادات: ڈاکٹر حافظ عبد الرحمن مدنی
ترتیب: حافظ عبد الرحمن عزیز

۷۳۸۰ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ إِسْمَاعِيلَ، عَنِ الشَّعْبِيِّ، عَنْ مَسْرُوقٍ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا، قَالَتْ: « مَنْ حَدَّثَكَ أَنَّ مُحَمَّدًا صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَى رَبَّهُ فَقَدْ كَذَبَ، وَهُوَ يَقُولُ»: ﴿لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ﴾[الأنعام: ۱۰۳] «وَمَنْ حَدَّثَكَ أَنَّهُ يَعْلَمُ الغَيْبَ فَقَدْ كَذَبَ، وَهُوَ يَقُولُ»: لَا يَعْلَمُ الغَيْبَ إِلَّا اللهُ.

''ہمیں محمد بن یوسف نے بیان کیا، کہ ہمیں سفیان نے بیان کیا، اسماعیل سے، انہوں نے شعبی سے، انہوں نے مسروق سے کہ سیدہ عائشہؓ نے فرمایا: اگر تم سے کوئی یہ کہے کہ محمد ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا ہے، تو وہ غلط کہتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے بارے میں خود کہتا ہے: '' نظریں اس کو دیکھ نہیں سکتیں''۔ اور جو کوئی کہتا ہے کہ آنحضرت ﷺ غیب جانتے تھے، تو وہ غلط کہتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے کہ غیب کا علم اللہ کے سوا اور کسی کو نہیں۔''

شرح الحدیث

مذکورہ حدیث میں دو چیزوں کی وضاحت کی گئی ہے:

① رسول اللہ ﷺ نے اپنی دنیوی حیات میں اللہ تعالیٰ کی زیارت نہیں کی۔

② رسول اللہ ﷺ غیب نہیں جانتے۔

رؤیت باری تعالیٰ کا مسئلہ

زیر بحث حدیث ایک واقعہ کا حصہ ہے، جسے امام ابن خزیمہ نے مفصلاً نقل کیا ہے، امام شعبی فرماتے ہیں:

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ الْحَارِثِ، قَالَ: اجْتَمَعَ ابْنُ عَبَّاسٍ وَكَعْبٌ، فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: إِنَّا بَنُو هَاشِمٍ، نَزْعُمُ أَوْ نَقُولُ: «إِنَّ مُحَمَّدًا رَأَى رَبَّهُ مَرَّتَيْنِ» ، قَالَ: فَكَبَّرَ كَعْبٌ حَتَّى جَاوَبَتْهُ الْجِبَالُ، فَقَالَ: إِنَّ اللهَ قَسَمَ رُؤْيَتَهُ وَكَلَامَهُ بَيْنَ مُحَمَّدٍ، وَمُوسَى، صَلَّى اللهُ

عَلَيْهِمَا وَسَلَّمَ فَرَآهُ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِقَلْبِهِ، وَكَلَّمَهُ مُوسَى.
قَالَ مُجَالِدٌ: قَالَ الشَّعْبِيُّ: فَأَخْبَرَنِي مَسْرُوقٌ أَنَّهُ قَالَ لِعَائِشَةَ: أَيْ أُمَّتَاهُ هَلْ رَأَى مُحَمَّدٌ رَبَّهُ قَطُّ؟ قَالَتْ: إِنَّكَ تَقُولُ قَوْلًا، إِنَّهُ لَيَقِفُ مِنْهُ شَعْرِي، قَالَ: قُلْتُ: رُوَيْدًا، قَالَ: فَقَرَأْتُ عَلَيْهَا: ﴿وَالنَّجْمِ إِذَا هَوَىٰ ۝١﴾ إِلَى قَوْلِهِ: ﴿فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَىٰ ۝٩﴾ [النجم: ٧-٩] فَقَالَتْ: أَيْنَ يُذْهَبُ بِكَ؟ إِنَّمَا رَأَى جِبْرِيلَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي صُورَتِهِ، مَنْ حَدَّثَكَ أَنَّ مُحَمَّدًا رَأَى رَبَّهُ فَقَدْ كَذَبَ[1].

"عبد اللہ بن حارث کہتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور کعب احبار رحمہ اللہ ایک جگہ اکٹھے ہوئے تو ابن عباس نے کہا: ہم بنو ہاشم سمجھتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دو مرتبہ دیکھا ہے۔ تو کعب احبار نے اتنی زور سے تکبیر کہی کہ پہاڑ گونج اٹھے، پھر کہنے لگے: بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے رؤیت اور کلام کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور موسیٰ علیہ السلام کے درمیان تقسیم کر دیا ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دل سے اللہ تعالیٰ کو دیکھا ہے اور موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے کلام کیا ہے۔

مجالد کہتے ہیں کہ مجھے شعبی نے بتایا کہ مجھے مسروق نے بتایا کہ انہوں نے سیدہ عائشہ سے کہا اے ماں جی! کیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو کبھی دیکھا ہے ؟ وہ کہنے لگیں: تیری اس بات نے تو میرے رونگٹے کھڑے کر دیئے ہیں۔ میں نے کہا: ذرا ٹھہریں۔ پھر میں نے ان کے سامنے دلیل کے طور پر سورۃ النجم کی ابتدائی آیات پڑھیں: ﴿وَالنَّجْمِ إِذَا هَوَىٰ ۝١ ... فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَىٰ ۝٩﴾ [النجم: ١-٩] تو وہ فرمانے لگیں: یہ تمہیں کہاں لے کر جا رہی ہے، اس سے مراد تو یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریل کو اس کی اصل شکل میں دیکھا ہے۔ جو تجھے یہ بتائے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا ہے اس نے غلط بات کہی۔"

اس روایت سے درج ذیل چیزوں کا علم ہوتا ہے:

① بنو ہاشم کا خیال ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا ہے۔
② حضرت ابن عباس نے جب یہ بات کعب احبار سے کہی تو انہوں نے اس کی تائید کی۔
③ سیدہ عائشہ نے رؤیت باری تعالیٰ کا انکار کیا، اور سورۃ النجم کی آیات کو جبریل کی حقیقی رؤیت پر محمول کیا۔

---

1 التوحید لابن خزیمة: ٢/ ٥٦١

رؤیت باری تعالیٰ کے حوالے سے مختلف مواقف

مذکورہ بالاحدیث کی شرح کرتے ہوئے علامہ عبدالحق ہاشمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

و في المسألة ثلاثة مذاهب:

المذهب الأول : اثبات الرؤية ، و اليه جماهير الصحابة ، و التابعين ،و من بعدهم من الائمة .

و المذهب الثاني :نفي الرؤية و هو مذهب عائشة الصديقة و ابن مسعود وغيرهما من الصحابة و التابعين .

و المذهب الثالث: اثبات الرؤية القلبية و نفي الرؤية العينية و اليه ذهب كثير من الائمة و هو رواية عن ابن عباس و المسألة بالدلائل في سورة النجم [1].

"اس حدیث میں رؤیت باری تعالیٰ کی تکذیب کی طرف اشارہ ہے۔ اس مسئلہ میں تین نظریات ہیں:
پہلا نظریہ :رؤیت کے اثبات کا ہے، یہ عقیدہ جمہور صحابہ، تابعین اور ان کے بعد کے ائمہ کا ہے۔
دوسرا عقیدہ: بصارت کا انکار ہے، یہ عائشہ صدیقہ، ابن مسعود اور دیگر صحابہ و تابعین کا عقیدہ ہے۔
تیسرا مکتب فکر: قلبی بصارت کا اثبات اور جسمانی بصارت کا انکار ہے،، بہت سے ائمہ اس کی طرف گئے ہیں، اور ابن عباس سے یہی روایت ہے۔"

پہلا موقف اور اس کے دلائل

رسول اللہ ﷺ رؤیت باری تعالیٰ سے مشرف ہوئے۔ علامہ عبدالحق ہاشمی نے اسے جمہور صحابہ کا موقف قرار دیا ہے۔ ان کے دلائل درج ہیں:

① اللہ تعالیٰ نے سفر معراج کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى ۝ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى ۝ فَاَوْحٰٓى اِلٰى عَبْدِهٖ مَآ اَوْحٰى ۝ مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى ۝ اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰى مَا يَرٰى ۝ وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى ۝ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى ۝ عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰى ۝ اِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشٰى ۝ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى ۝ ﴾ [النجم :۱، ۱۸]

[1] شرح کتاب التوحید (صحیح بخاری): ۳۴

”پھر وہ نزدیک ہوا پھر اور آگے بڑھا پھر دو کمانوں کا یا اس سے کم فاصلہ رہ گیا۔ پھر اللہ نے اپنے بندے کی طرف وحی کی جو کرنا تھی۔ جو کچھ اس نے آنکھ سے دیکھا تھا دل نے اسے جھوٹ نہیں سمجھا۔ اب کیا تم اس بات میں جھگڑا کرتے ہو جو اس نے آنکھوں سے دیکھا ہے۔ اور ایک مرتبہ اور بھی اس نے اس کو سدرۃ المنتہیٰ کے پاس دیکھا جس کے پاس ہی جنت الماویٰ ہے جبکہ اس سدرہ پر چھا رہا تھا جو (نور) چھا رہا تھا نہ (اس کی) نظر چندھیائی اور نہ آگے نکل گئی۔“

④ مشہور تابعی عبد اللہ بن شقیق کہتے ہیں:

قُلْتَ لِأَبِي ذَرٍّ، لَوْ رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَسَأَلْتُهُ فَقَالَ: عَنْ أَيِّ شَيْءٍ كُنْتَ تَسْأَلُهُ؟ قَالَ: كُنْتُ أَسْأَلُهُ هَلْ رَأَيْتَ رَبَّكَ؟ قَالَ أَبُو ذَرٍّ: قَدْ سَأَلْتُ، فَقَالَ: «رَأَيْتُ نُورًا»[1].

”میں نے ابو ذر سے کہا: اگر میں رسول اللہ ﷺ سے ملا ہوتا تو آپ ایک سوال ضرور پوچھتا۔ ابو ذرؓ کہنے لگے: کس چیز کے متعلق پوچھنا تھا؟ تو میں نے کہا: میں نے پوچھنا تھا کہ آپ نے اپنے رب کو دیکھا ہے؟ ابو ذر فرمانے لگے: میں نے یہ پوچھا تھا، تو آپ ﷺ نے فرمایا: میں نے نور دیکھا ہے۔“

قرآن وحدیث کے بے شمار دلائل سے واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ نور ہے، اور نبی اکرم ﷺ نے نور کو دیکھا ہے، تو اس سے واضح ہے کہ آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی زیارت کی ہے۔

قرآن مجید اور حدیث دونوں میں دیکھنے کا تذکرہ ہے، اور دیکھنے کا اطلاق بالعموم آنکھوں سے دیکھنے پر ہوتا ہے، لہٰذا آپ ﷺ نے آنکھوں سے اللہ تعالیٰ کو دیکھا ہے۔

دوسرا موقف اور اس کے دلائل

رسول اللہ ﷺ نے دل سے اللہ تعالیٰ کا دیدار کیا ہے آنکھوں سے نہیں۔

① حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اسے بنو ہاشم کا موقف قرار دیا۔

② کعب احبار نے اس کی تصدیق کی۔

③ دوسری روایت میں حضرت ابن عباسؓ کے اپنے الفاظ سے بھی یہ واضح ہے:

1 صحیح مسلم: ۱۷۸

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: ﴿مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَأٰى﴾ [النجم: ۱۱]، ﴿وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً أُخْرٰى﴾ [النجم: ۱۳]، قَالَ: «رَآهُ بِفُؤَادِهِ مَرَّتَيْنِ»[1].

”حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ آیت: ﴿مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى﴾ اور ﴿وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى﴾ کے متعلق فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو مرتبہ اپنے رب کو اپنے دل سے دیکھا۔“

④ امام دار قطنی اپنی کتاب ”رؤیة الله“ میں ابن عباس سے اس معنی میں بہت ساری روایات لائے ہیں۔

تیسرا موقف اور اس کے دلائل

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے مطلق طور پر رؤیت باری تعالیٰ کا انکار کیا ہے، ان کے دلائل درج ذیل ہیں:

① ﴿لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ﴾ [الأنعام: ۱۰۳]

”نگاہیں اسے پا نہیں سکتیں جبکہ وہ نگاہوں کو پالیتا ہے اور وہ بڑا باریک بین ہر چیز کی خبر رکھنے والا ہے۔“

② حضرت عائشہ کے موقف کی تائید حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ سے بھی ہوتی ہے:

﴿وَلَمَّا جَآءَ مُوْسٰى لِمِيْقَاتِنَا وَكَلَّمَهٗ رَبُّهٗ قَالَ رَبِّ اَرِنِيْٓ اَنْظُرْ اِلَيْكَ قَالَ لَنْ تَرٰىنِيْ وَلٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ فَسَوْفَ تَرٰىنِيْ فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا فَلَمَّآ اَفَاقَ قَالَ سُبْحٰنَكَ تُبْتُ اِلَيْكَ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ [الأعراف: ۱٤۳]

”اور جب موسیٰ ہمارے مقررہ وقت اور جگہ پر آ گیا اور اس سے اس کے پروردگار نے کلام کیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا: پروردگار! مجھے اپنا آپ دکھلا دیجئے کہ میں ایک نظر تجھے دیکھ سکوں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تو مجھے ہرگز نہ دیکھ سکے گا۔ البتہ اس پہاڑ کی طرف دیکھ، اگر یہ اپنی جگہ پر برقرار رہا تو تو بھی مجھے دیکھ سکے گا۔ پھر جب اس کے رب نے پہاڑ پر تجلی کی تو اسے ریزہ ریزہ کر دیا اور موسیٰ علیہ السلام غش کھا کر گر پڑے۔ پھر جب انہیں کچھ افاقہ ہوا تو کہنے لگے: تیری ذات پاک ہے، میں تیرے حضور توبہ کرتا ہوں اور میں سب سے پہلا ایمان لانے والا ہوں۔“

③ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے موقف کی تائید میں یہ روایت پیش کی جا سکتی ہے:

عَنْ أَبِي ذَرٍّ، قَالَ: سَأَلْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، هَلْ رَأَيْتَ رَبَّكَ؟ قَالَ:

---

1 صحیح مسلم: ۱۷٦

«نُورٌ أَنَّى أَرَاهُ»[1].

”حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: کیا آپ نے اپنے رب کو دیکھا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: وہ تو نور ہے، میں اسے کیسے دیکھ سکتا ہوں؟!۔“

دلائل کا تجزیہ

اب ہم تینوں مواقف کے دلائل کا تجزیہ کرتے ہیں:

جمہور صحابہ کرام نے سورۃ نجم کے الفاظ قاب قوسین اور رأی سے استدلال کیا ہے کہ آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا ہے، اور دیکھنے کا مطلق معنیٰ آنکھوں سے دیکھنا ہوتا ہے۔

حضرت ابن عباس نے انہی دلائل کی بنیاد پر رؤیت کو مانا ہے، لیکن احتیاط کو پیش نظر رکھتے ہوئے قلبی رؤیت قرار دیا ہے۔

سیدہ عائشہؓ نے مطلق رؤیت کا انکار کیا ہے، اور جس آیت کو دلیل بنایا ہے اس میں ادراک کی نفی ہے علم کی نفی نہیں ہے۔ ادراک، علم سے ایک زائد چیز ہے۔ سطحی علم بھی علم کہلاتا ہے، لیکن ادراک کا مطلب کسی چیز کی گہرائی میں جانا اور اس کی حقیقت کو پالینا اور یہ بالکل واضح ہے کہ اللہ کی حقیقت کو کوئی نہیں پا سکتا۔ لہٰذا یہ رؤیت سے انکار کی دلیل نہیں بن سکتی۔

اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ میں عام حالت میں دیکھنے کا انکار ہے، جبکہ قائلین معراج میں رؤیت کی بات کرتے ہیں۔ معجزہ ماورائے طبیعات ہے، ان پر عام حالات کے اصول لاگو نہیں ہوتے، لہٰذا حضرت عائشہؓ کی پیش کردہ آیت معراج میں دیکھنے کے مخالف نہیں ہے۔

باقی رہی حضرت ابوذرؓ کی روایت ہے، تو وہ کئی الفاظ سے مروی ہے۔ مثلاً

قَدْ سَأَلْتُ، فَقَالَ: «رَأَيْتُ نُورًا»[2].

”میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا تھا (کیا آپ نے اپنے رب کو دیکھا ہے؟) تو آپ ﷺ نے فرمایا: میں نے نور دیکھا ہے۔“

ایک دوسری روایت میں ہے:

---

۱ صحیح مسلم: ۱۷۸

۲ صحیح مسلم: ۱۷۸

حِجَابُهُ النُّورُ۔[1]

"اس پر نور کے پردے ہیں۔"

یہ الفاظ بظاہر متضاد ہیں، لیکن غور کریں تو مجموعی معنی ایک ہی بنتا ہے کہ میں نے اسے دیکھا ہے، لیکن چونکہ وہ نور ہے، اس لیے اس کی حقیقت تک پہنچا نہیں جاسکتا۔

سورۃ النجم میں کس کی رؤیت کا تذکرہ ہے؟

اللہ تعالیٰ نے سورۃ النجم میں نبی اکرم ﷺ کے سفر معراج کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا:

﴿وَ النَّجْمِ اِذَا هَوٰى ۙ﴿۱﴾ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَ مَا غَوٰى ۚ﴿۲﴾ وَ مَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ؕ﴿۳﴾ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۙ﴿۴﴾ عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى ۙ﴿۵﴾ ذُوْ مِرَّةٍ فَاسْتَوٰى ۙ﴿۶﴾ وَ هُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰى ؕ﴿۷﴾ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى ۙ﴿۸﴾ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى ۚ﴿۹﴾ فَاَوْحٰۤى اِلٰى عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰى ؕ﴿۱۰﴾ مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى ﴿۱۱﴾ اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰى مَا يَرٰى ﴿۱۲﴾ وَ لَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى ۙ﴿۱۳﴾ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى ﴿۱۴﴾ عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰى ؕ﴿۱۵﴾ اِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشٰى ۙ﴿۱۶﴾ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَ مَا طَغٰى ﴿۱۷﴾ لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى ﴿۱۸﴾﴾ [النجم: ۱،۱۸]

"ستارے کی قسم جب وہ ڈوبنے لگے۔ تمہارے رفیق (یعنی محمد ﷺ) نہ تو راہ بھولے اور نہ بے راہ چلے۔ وہ اپنی خواہش نفس سے کچھ بھی نہیں کہتے، جو کچھ وہ کہتے ہیں وہ وحی ہوتی ہے جو ان پر نازل کی جاتی ہے۔ یہ انہیں زبردست قوتوں والے نے سکھائی ہے۔ جو بڑا زور آور ہے۔ وہ سامنے آ کھڑا ہوا، جبکہ وہ بالائی افق پر تھا۔ پھر وہ نزدیک ہوا پھر اور آگے بڑھا پھر دو کمانوں کا یا اس سے کم فاصلہ رہ گیا۔ پھر اللہ نے اپنے بندے کی طرف وحی کی جو کرنا تھی۔ جو کچھ اس نے آنکھ سے دیکھا تھا دل نے اسے جھوٹ نہیں سمجھا۔ اب کیا تم اس بات میں جھگڑا کرتے ہو جو اس نے آنکھوں سے دیکھا ہے۔ اور ایک مرتبہ اور بھی اس نے اس کو سدرۃ المنتہیٰ کے پاس دیکھا جس کے پاس ہی جنت الماویٰ ہے جبکہ اس سدرہ پر چھا رہا تھا جو (نور) چھا رہا تھا نہ (اس کی) نظر چندھیائی اور نہ آگے نکل گئی، بلاشبہ اس نے اپنے پروردگار کی بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں۔"

مذکورہ بالا آیات میں دراصل محمد ﷺ کے اللہ تعالیٰ سے حصول علم کی سند کی بحث ہے، کہ محمد ﷺ جو

---

1 صحیح مسلم: ۱۷۹

وحی کا دعویٰ کر رہے ہیں یہ کسی دیوانے کے دل میں ابھرنے والے خیالات اور توہمات نہیں ہیں، بلکہ محمد ﷺ وحی بھیجنے اور لانے والے کی زیارت اور ملاقات کر چکے ہیں، تو آپ لوگ کیونکر اس کا انکار کر سکتے ہیں؟

قاب قوسین کا معنیٰ

قرآن مجید نے ملاقات اور قربت کے لیے ﴿فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَىٰ ۝﴾ کا محاورہ استعمال کیا ہے۔ قوس کا معنی ہوتا ہے کمان اور قاب اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں سے ہم اسے پکڑتے ہیں، وہاں سے لے کر کونے تک کے حصے کو قاب کہتے ہیں، اور دونوں حصوں کو قابین کہا جاتا ہے، درمیان سے ایک کونے تک ایک قاب، دوسرے کونے تک دوسری قاب۔ عربوں میں جب لڑائیوں کے بعد صلح ہوتی تھی تو وہ صلح کے لیے بطور علامت دونوں افواج کے سالار اپنی کمانیں باہم ملاتے تھے۔ بعد میں یہ ملاقات اور ملنے کے لیے بطور محاورہ استعمال ہونے لگا۔

اس حوالے سے علماء کا اتفاق ہے کہ اس میں سفر معراج کا تذکرہ ہے، لیکن سفر معراج میں نبی ﷺ کی ملاقات کس سے ہوئی تھی، جبریل سے یا اللہ تعالیٰ سے یا دونوں سے؟

سیدہ عائشہؓ کا ماننا ہے کہ سفر معراج میں نبی اکرم ﷺ نے جبریل سے ملاقات کی تھی، حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ[1] بھی اس سے مراد جبریل سے ملاقات ہی لیتے ہیں۔ ان کے برعکس حضرت ابن عباسؓ کا موقف ہے کہ نبی اکرم ﷺ اللہ تعالیٰ سے ملاقات اور رویت سے مشرف ہوئے تھے۔

اس حوالے سے سب سے پہلی بات یہ ذہن میں رہے کہ نبی اکرم ﷺ سے اس کی وضاحت روایت نہیں کی گئی۔ باقی رہا عبارت کا سیاق وسباق تو اس میں تین رویتوں کا تذکرہ کیا گیا ہے، فرمایا:

﴿عَلَّمَهُ شَدِيدُ الْقُوَىٰ ۝ ذُو مِرَّةٍ فَاسْتَوَىٰ ۝ وَهُوَ بِالْأُفُقِ الْأَعْلَىٰ ۝﴾ [النجم: ٥ – ٧]

”یہ انہیں زبردست قوتوں والے نے سکھائی ہے۔ جو بڑا زور آور ہے۔ وہ سامنے آ کھڑا ہوا، جبکہ وہ بالائی افق پر تھا۔“

یہ بالکل واضح ہے کہ یہاں جبریل علیہ السلام کی رویت مراد ہے۔ کیونکہ سورۃ التکویر میں یہ صفات جبریل کی بیان کی گئی ہیں، مزید اس صفات کو اللہ تعالیٰ پر منطبق نہیں کیا جا سکتا ہے۔

---

1 صحیح بخاری: ۳۲۳۲، صحیح مسلم: ۱۷۴

اس کے بعد ثُمَّ کے لفظ سے نئی بات شروع کی گئی ہے:

﴿ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى ۝ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى ۝ فَاَوْحٰۤى اِلٰى عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰى ۝ مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى ۝ اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰى مَا يَرٰى ۝ وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى ۝ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى ۝﴾

[النجم: ۸ – ۱۸]

”پھر وہ نزدیک ہوا پھر اور آگے بڑھا پھر دو کمانوں کا یا اس سے کم فاصلہ رہ گیا۔ پھر اللہ نے اپنے بندے کی طرف وحی کی جو کرنا تھی۔ جو کچھ اس نے آنکھ سے دیکھا تھا دل نے اسے جھوٹ نہیں سمجھا۔ اب کیا تم اس بات میں جھگڑا کرتے ہو جو اس نے آنکھوں سے دیکھا ہے۔ اور ایک مرتبہ اور بھی اس نے اس کو سدرۃ المنتہیٰ کے پاس دیکھا۔“

اگر یہ کہیں کہ یہ پہلی ملاقات ہی کا تسلسل ہے تو یہ بات نہیں بنتی، کیونکہ ثُمَّ وقفے کا تقاضا کرتا ہے، مزید ﴿فَاَوْحٰۤى اِلٰى عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰى ۝﴾ میں عبدہ کی ضمیر اللہ کی طرف لوٹ سکتی ہے، جبریل ؑ کی طرف نہیں۔ اس لیے یہی درست معلوم ہوتا ہے کہ سفر معراج میں رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ ہی کا قرب حاصل کیا اور اللہ تعالیٰ ہی کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ جیسا کہ ابن عباسؓ اور کعب احبار کی روایات سے معلوم ہوتا ہے۔

مزید شریک بن عبد اللہ کی حضرت انسؓ سے روایت حدیث معراج بھی اس کی تائید کرتی ہے:

ثُمَّ عَلاَ بِهِ فَوْقَ ذَلِكَ بِمَا لاَ يَعْلَمُهُ إِلَّا اللَّهُ، حَتَّى جَاءَ سِدْرَةَ الْمُنْتَهى، وَدَنَا لِلْجَبَّارِ رَبِّ العِزَّةِ، فَتَدَلَّى حَتَّى كَانَ مِنْهُ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَى، فَأَوْحَى اللَّهُ فِيمَا أَوْحَى إِلَيْهِ: خَمْسِينَ صَلاَةً عَلَى أُمَّتِكَ كُلَّ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ[1].

”پھر وہ آپ کو لے کر اس سے مزید اوپر چڑھا جسے اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا یہاں تک کہ وہ سدرۃ المنتہی تک پہنچ گئے اور اللہ رب العزت کے قریب ہوئے، پھر مزید قریب ہوئے یہاں تک کہ وہ قاب قوسین ہو گئے یا اس سے بھی زیادہ قریب، پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے پر وحی کی جو اس نے چاہی۔ (ان میں ایک بات یہ تھی کہ) آپ کی امت پر دن رات میں پچاس نمازیں فرض ہیں۔“

علامہ ابن ابی العز فرماتے ہیں: سورۃ نجم میں مذکور: الدنو والتدلی حدیث معراج میں مذکور: الدنو والتدلی کے علاوہ ہے۔ یعنی اگر سورۃ نجم میں مذکورہ واقعہ کو جبریل کی رؤیت پر محمول کر لیں تو حدیث شریک

1 صحیح بخاری: ۷۵۱۷

صراحت کے ساتھ رؤیت باری تعالیٰ کا تذکرہ کر رہی ہے اس لیے اس سے انکار ممکن نہیں ہے[1]۔

مزید براں علامہ عبد الحق ہاشمی نے رؤیت باری تعالیٰ کے اثبات کو جمہور صحابہ کا موقف قرار دیا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایات دو مرتبہ اللہ کو دیکھنے کا تذکرہ ہے، تو اسے یوں تطبیق دی جا سکتی ہے کہ ایک مرتبہ اوپر جا کر قاب قوسین والا کا قرب اور زیارت حاصل ہوئی۔ دوسری مرتبہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کہنے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نمازیں کم کرنے کی درخواست لے کر دوبارہ اللہ کے حضور پیش ہوئے۔

قرآن مجید نے جس اہتمام کے ساتھ سفر معراج کا تذکرہ کیا ہے وہ اس بات کی دلیل ہے کہ معراج میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ ہی کی زیارت سے مشرف ہوئے ہیں۔ جب کہ جبریل کی زیارت تو آپ پہلے بھی کر چکے تھے۔

بعض علماء کرام فرماتے ہیں کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے عام رؤیت کا انکار کیا ہے، جبکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت میں سفر معراج میں دل سے دیکھنے کا ذکر ہے، تو اس میں کوئی امر مانع نہیں ہے اور نہ ہی یہ ایک دوسرے کے خلاف ہیں۔ ہمارے نزدیک یہی بات درست ہے اور یہی محفوظ موقف ہے۔

حدیث کا دوسرے حصہ جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب ہونے کی نفی ہے، اس حوالے سے گذشتہ حدیث میں تفصیل سے بحث ہو چکی ہے، اسے دھرانے کی ضرورت نہیں ہے۔

اہم فوائد

① علم اللہ تعالیٰ کی صفت ذاتی ہے۔

② علم غیب سے مراد ان چیزوں کا علم ہے جنہیں انسان اپنے حواس خمسہ اور عقل سے نہیں جان سکتا۔ عام طور پر علم غیب کا تعلق تقدیر اور نظام کائنات سے ہے۔

③ علم غیب صرف اللہ جانتا ہے، کوئی دوسرا انہیں جانتا۔

④ انبیاء علیہم السلام پر جو وحی نازل ہوتی ہے وہ اللہ کے علم سے تعلق رکھتی ہے۔ لیکن اس میں صرف ان چیزوں کا تذکرہ ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کو انسان سے مطلوب ہوتی ہیں۔

اس دنیا میں ظاہری آنکھوں سے اللہ تعالیٰ کو دیکھنا ممکن نہیں ہے، جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ میں واضح ہے۔ البتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج میں یا اللہ کو دیکھا ہے۔ اس کا انکار کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

---

1 شرح العقيدة الطحاوية: ۲۲٦ ، طبع المكتب الاسلامی

قرآن وسنت کی تشریح میں فہم سلف کی اہمیت

ڈاکٹر عبید الرحمن محسن

مصدر تشریع صرف قرآن وسنت ہے

اس میں کوئی دورائے نہیں کہ اصل مصدر تشریع صرف قرآن وسنت ہی ہے۔ یہی وحی جلی اور خفی ہے، یہی مُنَزَّلٌ مِنَ اللہ پیغام ہے، انہی کی نصوص وعبارات پر دین کی اساس قائم ہے اور یہی شریعت کی بنیاد ہیں۔ کسی آیت یا صحیح حدیث کے خلاف کسی صحابی یا تابعی کی رائے کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔

قرآن مجید میں صرف اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت پر نہ صرف زور دیا گیا ہے، بلکہ براہ راست صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور بالواسطہ تمام امت کو رسول اللہ ﷺ سے پیش قدمی سے سختی سے منع کیا گیا ہے اور آواز تک کو اونچا کرنے پر حبط اعمال کی شدید وعید سنائی گئی ہے[1]۔ خود صحابہ کرام قرآن مجید تو کیا سنت رسول کے خلاف بھی کسی کی اجتہادی فکر اور رائے کو کوئی اہمیت نہیں دیتے تھے۔ اس پر مزید کچھ کہنا بھی تحصیل حاصل ہے۔ تاہم بعض لوگوں کی تشفی کے لیے ایک دو مثالیں پیش خدمت ہیں:

ا۔ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما ارشاد فرمایا کرتے تھے:

لَيْسَ أَحَدٌ بَعَدَ النبيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَّا يُؤْخَذُ مِنْ قَوْلِهِ وَيُتْرَكُ إِلَّا النبی صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ[2]۔

"رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی کے علاوہ ہر شخص کا قول قبول بھی کیا جاسکتا ہے اور رد بھی۔"

ب۔ عملاً بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے وحی کے خلاف کسی کی بات کو کبھی اہمیت نہیں دی۔ اس پر بیسیوں مثالیں موجود ہیں، بالخصوص سیدنا عثمان اور سیدنا علی رضی اللہ عنہما کی مثال قابل ذکر ہے۔ سعید بن مسیب ؒ بیان کرتے ہیں:

اخْتَلَفَ عَلِيٌّ وَعُثْمَانُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا وَهُمَا بِعُسْفَانَ فِي الْمُتْعَةِ، فَقَالَ عَلِيٌّ: مَا تُرِيدُ إِلَّا أَنْ تَنْهَى عَنْ أَمْرٍ فَعَلَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَلَمَّا رَأَى ذَلِكَ عَلِيٌّ أَهَلَّ

---

1 الحجرات: ۱، ۲

2 معجم کبیر طبرانی: ۱۱/ ۳۳۹

بِهِمَا جَمِيعًا [1].

"عثمان اور علی رضی اللہ عنہما مقام عسفان پہنچے، توان میں باہم حج تمتع کے سلسلے میں اختلاف ہوا تو علیؓ نے فرمایا: جو عمل رسول اللہ ﷺ نے کیا ہے، کیا آپ اس سے منع کرنا چاہ رہے ہیں؟ یہ دیکھ کر علیؓ نے حج اور عمرہ دونوں کا احرام ایک ساتھ باندھا۔"

ایک دوسری روایت کے الفاظ یوں ہیں:

مَا كُنْتُ لِأَدَعَ سُنَّةَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِقَوْلِ أَحَدٍ [2].

میں کسی شخص کے کہنے پر رسول اللہ ﷺ کی حدیث کو نہیں چھوڑ سکتا۔

ج۔ اس باب میں سلف صالحین نہ صرف اتباع سنت پر زور دیتے تھے بلکہ اس کی ادنی مخالفت کو ہلاکت گردانتے تھے۔

اسلامی تاریخ میں شیخین امامین خلیفہ راشد سیدنا ابو بکر صدیق اور خلیفہ راشد سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہما سے بڑھ کر کس کا مقام ہو سکتا ہے۔ جب انہوں نے حج تمتع سے منع کیا۔ تو سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے نبی کریم ﷺ کی سنت کا حوالہ دیا، اور حج تمتع پر آپ ﷺ کی حدیث مبارک پیش کی، کسی نے کہا، لیکن ابو بکر وعمر رضی اللہ عنہما منع کرتے ہیں، تو سیدنا ابن عباسؓ نے یہ تاریخی جملہ کہا:

"لگتا ہے یہ لوگ ہلاک ہو جائیں گے۔ میں کہتا ہوں: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "رسول اللہ ﷺ نے فرمایا" اور یہ کہتے ہیں: نَهَى أَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ "ابو بکرؓ و عمرؓ نے منع کیا ہے [3]۔"

یہ تہدید سیدنا ابن عباسؓ کے فہم قرآن اور تدبر قرآن کی بھی غمازی کرتی ہے۔ کیونکہ قرآن مجید سنت رسول اللہ ﷺ کی مخالفت پر عذاب الیم کی وعید بیان کرتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ أَنْ تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٦٣﴾﴾

[النور: ٢٤]

"تو جو لوگ ان کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں ان کو ڈرنا چاہیے کہ (ایسا نہ ہو کہ) ان پر کوئی آفت پڑ

---

۱ صحیح بخاری: ۱۵۶۹

۲ صحیح بخاری: ۱۵۶۳

۳ مسند احمد: ۳۱۲۱

جائے یا تکلیف دینے والا عذاب نازل ہو۔"

ان سے امام مجاہد نے یہی تربیت پائی اور اپنے شاگردوں کو بھی یہی درس دیا۔ ان دونوں ہستیوں کے اس عظیم قول کو امام مالک نے بھی بڑے خوب صورت انداز میں بیان کیا اور انہی کی نسبت سے زیادہ مشہور ہو گیا۔ امام احمد بھی یہی کہا کرتے تھے[1]۔

د۔ اسی مسئلے کے متعلق سیدنا عبد اللہ بن عمرؓ کا یہ قول تو آب زر سے لکھنے کے قابل ہے۔ حج تمتع کے بارے ایک شامی شخص نے ان سے پوچھا تو انہوں نے جواز کا فتویٰ دیا۔ سائل نے کہا: آپ کے والد محترم (سیدنا عمرؓ) اس سے منع کرتے ہیں۔ اس موقع پر جناب ابن عمرؓ نے فرمایا:

أَرَأَيْتَ إِنْ كَانَ أَبِي نَهَى عَنْهَا وَصَنَعَهَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَأَمْرَ أَبِي نَتَّبِعُ أَمْ أَمْرَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟[2].

"ذرا تم ہی بتاؤ اگر میرے والد کسی کام سے روکیں اور رسول اللہ ﷺ نے اسے انجام دیا ہو تو میرے والد کے حکم کی پیروی کی جائے گی یا رسول اللہ ﷺ کے حکم کی؟۔"

گویا خود سلف صالحین اس پر متفق نظر آتے ہیں کہ قرآن وسنت کے خلاف کسی رائے کی ذرہ برابر کوئی حیثیت نہیں۔ چاہے وہ ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما ہی کیوں نہ ہوں۔ حالانکہ شیخین کی بصیرت وفقاہت عدیم المثال ہے اور ان کی سنت عمومی حالات میں لائق اتباع ہے۔

ائمہ اربعہ کے اقوال بھی اس باب میں مشعل راہ ہیں۔

اہل حدیث مکتب فکر تو ہمیشہ سے اسی نہج پر امت مسلمہ کی تربیت کرتا آیا ہے۔

الغرض پہلی بات تو یہ سمجھ لیجیے کہ فہم سلف سے مراد کوئی ایسی رائے یا اجتہاد نہیں جو قرآن وسنت کی نصوص کے خلاف ہو۔ بھلا کوئی سچا مسلمان قرآن وسنت کے بالمقابل کسی صحابی یا تابعی کی رائے کو حجت کہنے کا خیال بھی دل میں کیسے لا سکتا ہے!، کیا کوئی مومن صادق ایسے صریح کفر کا سوچ بھی سکتا ہے؟!!

﴿ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ﴾ [النساء: ٦٥]

"تمہارے پروردگار کی قسم! یہ لوگ جب تک اپنے تنازعات میں تمہیں منصف نہ بنائیں اور جو فیصلہ تم

---

۱ صفۃ صلاۃ النبی، للالبانی: ۲۷

۲ جامع ترمذی: ۸۲۴

کر دو اس سے اپنے دل میں تنگ نہ ہوں بلکہ اس کو خوشی سے مان لیں تب تک مومن نہیں ہوں گے۔"

اس لیے امت پر ذرا رحم کیجیے اور بات کو درست تناظر اور حقیقی سیاق سے ہٹانے کی کوشش مت کیجیے۔

اسے منکرین فہم سلف کی چالاکی کہیے یا سادگی کہ انہوں نے فہم سلف کو قرآن وسنت کے متوازی ایک چیز بنا دیا، حالانکہ یہ تو سوچنا بھی صریح کفر ہے۔

فہم سلف سے کیا مراد ہے؟

فہم سلف، دو الفاظ سے مرکب ہے۔ ہر ایک کی علیحدہ وضاحت پھر بطور اصطلاح مفہوم پیش خدمت ہے۔

فہم سلف کا لغوی معنیٰ و مفہوم

فہم کی وضاحت: عربی زبان میں معلومات کے ادراک کے مختلف مراتب ہیں۔ ان میں سے ایک خاص مرتبے کا نام فہم ہے۔ جیسا کہ صاحب "لسان العرب" کے مطابق، فہم سے مراد:

مَعْرِفَتُكَ الشَّيْءَ بِالْقَلْبِ[1]۔

"دل سے کسی چیز کو جان لینا "فہم" کہلاتا ہے۔"

گویا عمومی علم کی بہ نسبت "فہم" ایک خاص درجے کی سمجھ بوجھ کا نام ہے۔

حضرت داود علیہ السلام کی عدالت میں فریقین کا ایک مقدمہ پیش ہوا۔ مقدمے کا علم جناب داود علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام دونوں کو ہی تھا۔ لیکن احوال و قرائن سے خاص فہم اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو نصیب کیا۔ اس واقعے کو نقل کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ﴾ [الانبیاء: ۷۹]

"ہم نے وہ فیصلہ سلیمان کو سمجھا دیا۔"

جناب سلیمان علیہ السلام جو اس قضیے کی تہ تک پہنچے اور فیصلہ کیا، اسے اللہ تعالیٰ نے "فہم" کہا۔ اور ساتھ ہی فرمایا:

﴿وَكُلًّا اٰتَيْنَا حُكْمًا وَّعِلْمًا﴾ [الانبیاء: ۷۹]

"قوت فیصلہ اور علم ہم نے ہر ایک کو عطا کر رکھا تھا۔"

امام ابن حجر نے "فہم" کی بہت خوب صورت تعریف کی ہے، فرماتے ہیں:

---

[1] لسان العرب: ۱۲/۴۵۹

فالفهم فطنة يفهم بها صاحبها من الكلام ما يقترن به من قول أو فعل[1].

"فہم سے مراد ایسی سمجھ بوجھ ہے جس کے ذریعے انسان کلام میں سے وہ سب کچھ سمجھ جاتا ہے جو اس کے ساتھ کوئی بات یا عمل منسلک ہوتا ہے۔"

گویا احوال وظروف کو سامنے رکھتے ہوئے کسی کلام کے درست مفہوم اور اس سے نتائج اخذ کرنے کی صلاحیت کو فہم کہا جاتا ہے اور یہ علم کا ایک خاص درجہ ہے۔

دوسرا لفظ "سلف" ہے۔

سلف کا مفہوم: عربی زبان میں لفظ سَلَف گزرنے اور ماضی میں ہونے کا مفہوم دیتا ہے۔ پہلے گزرے ہوئے کو سَالِفٌ کہتے ہیں۔ اور اس کی جمع سَلَف ہے۔ لغوی طور پر پہلے گزرے ہوئے لوگ سَلَف ہیں، قطع نظر اس سے کہ وہ اچھے ہوں یا برے۔ اللہ تعالیٰ نے قوم فرعون کی غرقابی کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ فَجَعَلْنٰهُمْ سَلَفًا﴾ [الزخرف: ٥٦]

"ہم نے انہیں قصہ ماضی بنادیا۔"

جو کام ماضی میں ہو چکا ہو، اس کے لیے سَلَف کا لفظ قرآن مجید میں متعدد بار مستعمل ہے[2]۔

سَلَف کا اصطلاحی مفہوم

سلف کے اصطلاحی مفہوم میں تین معتبر اقوال ہیں:

① اس سے مراد صرف صحابہ کرام ہیں۔ عہد تابعین میں صحابہ کرام کو ہی سَلَف کہا جاتا تھا۔ حضرت عبداللہ بن مبارک برسر عوام کہا کرتے تھے:

دَعُوا حَدِيثَ عَمْرِو بْنِ ثَابِتٍ ؛ فَإِنَّهُ كَانَ يَسُبُّ السَّلَفَ[3].

"عمرو بن ثابت کی روایت کردہ احادیث ترک کردو، کیونکہ یہ سلف پر سب وشتم کیا کرتا تھا۔"

یہاں سلف سے مراد صحابہ کرام ہی ہیں۔

---

١ فتح الباري لابن حجر: ١/ ١٦٥

٢ ملاحظہ ہو: النساء: ٢٣، ٢٢، المائدہ: ٩٥، الانفال: ٣٨

٣ مقدمہ صحیح مسلم، باب الاسناد من الدین

④ بعض اہل علم کے نزدیک سلف سے مراد صحابہ اور تابعین ہیں[1]۔
④ اکثر اہل علم کے نزدیک سَلَف سے اصطلاحی طور پر صحابہ کرامؓ، تابعین اور تبع تابعین ہیں[2]۔

حجیت کے لحاظ سے فہم سلف کی درجہ بندی اور اقسام

① سلف صالحین انفرادی حیثیت سے نہ معصوم ہیں اور نہ ہی حجت۔ ان کا انفرادی فہم اور رائے بھی بہر حال ایک انسانی کاوش اور بشری تقاضوں میں مقید ہے۔ ان میں سے کسی بھی فرد کو غلطی لگ سکتی ہے، بھول ہو سکتی ہے، یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کوئی آیت یا حدیث ان میں سے کسی فرد کے علم میں ہی نہ ہو اور اس بنا پر اس کے خلاف کوئی رائے یا فتویٰ دے دیا ہو اور شاذ رائے، بلکہ حدیث رسول کے خلاف کوئی رائے اپنائی ہو۔ ان تمام صورتوں میں ان کے بارے حسن ظن اور مکمل احترام کے ساتھ ان سے اختلاف رائے کیا جا سکتا ہے۔ تاہم ان کے اقوال پھر بھی لائق اعتنا اور قابل توجہ ہیں، تاکہ مختلف آراء سامنے آسکیں اور سلف کے اقوال معلوم ہو سکیں اور دلیل کی روشنی میں حق تک رسائی ممکن ہو سکے۔ ان صورتوں میں اسے فہم سلف نہیں کہا جاتا، کیونکہ لفظ "سلف" جمع ہے، اس سے مراد اسلاف کی جماعت ہے نہ کہ فرد واحد، انفرادی رائے بعض سلف کا انفرادی فہم ہے، "فہم سلف" نہیں ہے۔

② شرعی نصوص سے اللہ اور اس کے رسول کی مراد متعین کرتے ہوئے جب سلف صالحین کسی ایک فہم پر جمع ہو جائیں اور سب کے اقوال یا افعال یا تقریرات ایک متعین مفہوم پر دلالت کر رہے ہوں تو یہ "فہم سلف" ہے۔ اسے قبول کرنا، اس کی پابندی کرنا ضروری ہے اور یہ حجت ہے۔ کیونکہ وہ در حقیقت مراد الٰہی کی تعیین ہے اور حکم نبوی ﷺ کی نشان دہی ہے[3]۔

③ نص شرعی کے مفہوم میں سلف کا اتفاق ہو تو یہ صورت بلاشبہ قطعی حجت کے درجے میں ہے۔ اگر اتفاق تو نہ ہو، لیکن کسی ایک کا ایسا مشہور قول ہو جسے اس دور میں قبول عام حاصل ہو گیا اور کسی دوسرے سے کوئی مخالف رائے ثابت نہ ہو تو جمہور علماء کے نزدیک یہ بھی حجت اور اجماع ہے۔ بعض اہل علم کے نزدیک

---

١ ترتیب المدارک، لقاضی عیاض ٢ / ٩٣، بحوالہ: فهم السلف الصالح للنصوص الشرعية، للدکتور عبداللہ بن عمر الدُّمیجی: ٣٢

٢ التحف من مذاهب السلف، شوکانی: ٧ – ٨ بحوالہ: فهم السلف للدمیجی: ٣٢

٣ فهم السلف الصالح للنصوص الشرعية: ٤٨

حجت ہے لیکن اجماع نہیں۔ بعض متاخرین فقہاء اور متکلمین کے نزدیک نہ حجت ہے اور نہ ہی اجماع[1]۔
شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

أما أقوال الصحابة؛ فإن انتشرت ولم تنكر في زمانهم فهي حجة عند جماهير العلماء وإن تنازعوا رد ما تنازعوا فيه إلى الله والرسول. ولم يكن قول بعضهم حجة مع مخالفة بعضهم له باتفاق العلماء وإن قال بعضهم قولا ولم يقل بعضهم بخلافه ولم ينتشر؛ فهذا فيه نزاع وجمهور العلماء يحتجون به[2].

”جہاں تک اقوال صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا تعلق ہے تو اس کی تفصیل کچھ یوں ہے۔ اگر صحابہ کے اقوال اپنے دور میں معروف ہوں اور کسی نے ان کی مخالفت نہ کی ہو تو جمہور علماء کے نزدیک یہ حجت ہیں۔ اگر اقوال صحابہ میں باہمی اختلاف ہو تو بالاتفاق حجت نہیں ہیں، کیونکہ خود بعض صحابہ نے ان سے اختلاف کیا ہوا ہے۔ اور اگر کسی صحابی سے قول منقول ہو، جبکہ کسی دوسرے صحابی سے اس کے مخالف کوئی قول منقول نہ ہو اور نہ ہی وہ قول اس عہد میں معروف ہوا ہو تو اس میں اگرچہ اختلاف ہے لیکن جمہور علماء اسے بھی بطور حجت پیش کرتے ہیں“۔

اگر اقوال صحابہ مختلف ہوں تو کتاب وسنت کی طرف رجوع کیا جائے گا اور دلیل کے مطابق ترجیح ہو گی[3]۔

④ اختلافی اقوال میں ترجیح دیتے ہوئے یہ احتیاط ائمہ کرام کرتے رہے ہیں کہ اقوال صحابہ میں سے ہی کسی کو ترجیح دی جائے، ان سے ہٹ کر نیا قول اختیار نہ کیا جائے[4]۔

⑤ اقوال تابعین بھی انفرادی حیثیت سے حجت نہیں ہیں۔ نہ نصوص کی تفسیر وتشریح میں اور نہ ہی فقہی اجتہادات میں، اس حوالے سے شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ لکھتے ہیں:

وقال شعبة بن الحجاج وغيره:أقوال التابعين في الفروع ليست حجة فكيف تكون حجة في التفسير؟ يعني أنها لاتكون حجة على غيرهم ممن خالفهم و هذا صحيح أما إذا أجمعوا على الشيء فلا يرتاب في كونه حجة فإن اختلفوا

۱ اعلام الموقعین: ۴/ ۱۰۴
۲ فتاویٰ ابن تیمیہ، ۱۴/ ۲۰
۳ الفقیه والمتفقه، الخطیب البغدادی: ۱/ ۱۷۵
۴ فتاویٰ ابن تیمیہ: ۱۳/ ۱۲۴

فلايكون قول بعضهم حجة على بعض ولا على من بعدهم و يرجع في ذلك إلى لغة القرآن أو السنة أو عموم لغة العرب أو أقوال الصحابة في ذلك [1].

"امام شعبہ بن حجاج اور دیگر ائمہ نے کہا ہے کہ تابعین کے اقوال فروعی مسائل میں بھی حجت نہیں ہیں، تو تفسیر قرآن میں کیونکر حجت ہوسکتے ہیں؟ یعنی، جب تابعین کے اقوال مختلف ہوں تو ایک دوسرے پر حجت نہیں ہیں۔ امام شعبہ وغیرہ کی یہ بات بالکل بجا ہے۔ البتہ جب تابعین کسی بات پر اجماع کرلیں تو اس کے حجت ہونے میں شبہ نہیں ہے۔ اگر ان میں باہم اختلاف ہو تو اس صورت میں نہ ایک دوسرے کے اوپر حجت ہیں نہ ہی بعد والوں پر، بلکہ ایسی صورت میں قرآن مجید، سنت رسول، لغتِ عرب اور اقوال صحابہ کی طرف رجوع کیا جائے گا (اور دلائل کی بنیاد پر ترجیح دی جائے گی)۔"

ان تصریحات سے معلوم ہو رہا ہے کہ فہم سلف کی حجیت سے پر ان کا اجماعی فہم ہی مراد ہے، نہ کہ انفرادی اقوال و آراء۔ اگرچہ سلف میں صحابہ، تابعین اور اتباع تابعین کے تینوں طبقات شامل ہیں، لیکن ان میں اقوال صحابہ کا ایک خاص مقام ہے، جو اقوال تابعین اور اتباع تابعین کو حاصل نہیں ہے۔

امام ابن القیم نے اعلام الموقعین میں چھیالیس اسباب اور آیات و احادیث پر تفصیل سے گفتگو کرتے ہوئے قولِ صحابی کو (جب کوئی مخالف رائے کسی دوسرے صحابی سے ثابت نہ ہو) حجت قرار دیا ہے [2]۔

درست بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ قول صحابی بھی مطلقاً حجت نہیں ہے اس کی مختلف صورتیں ہیں، بعض صورتوں میں خاص شروط کے ساتھ حجت ہے، تفصیلات اصول فقہ اور اصول تفسیر کی کتب میں درج ہیں۔

موضوع زیر بحث میں اصل قضیہ انفرادی آراء و اجتہادات کا نہیں بلکہ "فہم سلف" کا ہے۔

قول صحابی حجت ہے یا نہیں، اس سے قطع نظر اس تفصیل و تحقیق اور اساطین علم کے درمیان اختلاف سے یہ بات ضرور ثابت ہوتی ہے کہ صحابی کا قول اسلامی روایت میں دیگر آراء الرجال کی طرح نہیں ہے، اس کی خاص قدر و منزلت اور ہیبت ہے، جو کہ اس وقت تک برقرار رہنی چاہیے جب تک وہ کسی آیت یا حدیث کے خلاف نہ ہو۔ قول صحابی کہہ کر فوراً ٹھکرا دینے کا ایک رجحان جو بعض حلقوں میں دکھائی دیتا ہے، ہماری اسلامی روایت سے میل نہیں کھاتا۔

---

۱ فتاویٰ ابن تیمیہ: ۱۳/ ۳۷۰

۲ اعلام الموقعین ۴/ ۱۴۰ و بعد

فہم سلف کا اطلاقی مفہوم

فہم سلف کے متعدد پہلوؤں سے مختلف اطلاقات ہیں۔ زیر بحث موضوع کے حوالے سے ان میں سے مندرجہ ذیل بنیادی نوعیت کے اطلاقات اہم ہیں:

① خیر القرون کے مسلمہ عقائد و نظریات

② تفسیر قرآن و تشریح حدیث میں سلف کے اقوال

③ وحی کے ساتھ تعامل میں سلف کا منہج

④ فقہی مسائل میں سلف کا اجتماعی فہم

⑤ تزکیہ واحسان میں سلف کا اجتماعی تعامل

۱۔ خیر القرون کے مسلمہ عقائد و نظریات

صحابہ، تابعین اور تبع تابعین کے ہاں دین کے مسلمہ اصول ومبادیات اور بنیادی عقائد فہم سلف میں سرفہرست شامل ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرامؓ کے ایمان کو معیار قرار دیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَإِنْ آمَنُوا بِمِثْلِ مَا آمَنتُم بِهِ فَقَدِ اهْتَدَوا وَّإِن تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا هُمْ فِي شِقَاقٍ فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللَّهُ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ﴾ [البقرة: ۱۳۷]

”تو اگر یہ لوگ بھی اسی طرح ایمان لے آئیں جس طرح تم ایمان لے آئے ہو تو ہدایت یاب ہو جائیں اور اگر منہ پھیر لیں (اور نہ مانیں) تو وہ (تمہارے) مخالف ہیں اور ان کے مقابلے میں تمھیں اللہ کافی ہے۔ اور وہ سننے والا (اور) جاننے والا ہے۔“

یہ لوگ نہ صرف خود ایمان ویقین سے متصف تھے بلکہ پوری بصیرت کے ساتھ اس کے داعی بھی تھے، ارشاد ربانی ہے:

﴿قُلْ هَٰذِهِ سَبِيلِي أَدْعُو إِلَى اللَّهِ عَلَىٰ بَصِيرَةٍ أَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِي﴾ [یوسف: ۱۰۸]

”کہہ دو میرا رستہ تو یہ ہے میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں (از روئے یقین و برہان) سمجھ بوجھ کر میں بھی (لوگوں کو اللہ کی طرف بلاتا ہوں) اور میرے پیرو بھی۔“

ذات باری تعالیٰ، اسماوصفات، توحید و شرک کے بارے میں جو کچھ خیر القرون میں طے پا گیا وہ اس امت کے لیے حرف آخر ہے۔ [صحابہ کرام] اور ان کے یہ عقائد قرآن وسنت کے خالص فہم پر مبنی تھے۔

ملائکہ، کتب سماویہ، انبیاء ورسل پر ایمان، تقدیر کی حقیقت، قبر وحشر اور آخرت کی تفصیلات وہی حتمی اور

حقیقی ہیں جو سلف صالحین سے منقول ہیں، وہ درحقیقت قرآن وسنت کی خالص تعبیر پر مبنی ہیں۔

ایمانیات اور غیبیات کے متعلق تو صحابہ کرام کے بارے ائمہ کرام رضی اللہ عنہم اس حد تک اعتماد کرتے ہیں کہ ان کے موقوف قول کو بھی بعض شروط کے ساتھ مرفوع کے درجے میں رکھتے ہیں، جیسا کہ کتب اصول حدیث میں اس کی تفصیلات درج ہیں۔

۲۔ تفسیر قرآن میں فہم سلف کی حجیت

فہم سلف کی حجیت کا دوسرا اہم اطلاق اور میدان تفسیر قرآن مجید اور تشریح حدیث ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے براہ راست رسول اللہ ﷺ سے کس قدر محبت، جان فشانی اور محنت سے قرآن مجید سیکھا ہے، وہ اپنی مثال آپ ہے۔ صحابہ کرام دس آیات سے آگے تب تک سبق نہ لیتے جب تک علم و عمل کی تمام گتھیاں سلجھا نہ لیتے![1]

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جناب ابن عباس رضی اللہ عنہما کو "ترجمان القرآن" کہا کرتے تھے[2]۔

امام مجاہد نے باقاعدہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مکمل تفسیر سیکھی اور اس کے نوٹس تیار کیے[3]

خیر القرون میں قرآن مجید کے جو معانی و مفاہیم طے پائے وہی درحقیقت مراد الٰہی ہیں۔ اس کے متضاد جو کچھ بھی تفسیر کے نام پر ہوگا، تفسیر نہیں، تحریف ہوگی۔ یہی معاملہ حدیث کی تشریح و تعبیر کا ہے۔

ا) قرآن مجید کی تفسیر کے لیے لغوی لحاظ سے عربی زبان کی معرفت سب سے اہم اور مقدم چیز ہے۔ خیر القرون کے لوگ خود عربی ماحول میں پلے بڑھے ہیں اور فطری طور پر عربی لغت کے اسالیب و محاورات سے آگاہ ہیں۔ اس لحاظ سے بھی ان کی تفسیر بعد کے لوگوں پر مقدم ہے۔

ب) قرآن مجید فصیح و بلیغ کلام ہے، کلام کی فصاحت و بلاغت کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ وہ سامعین کی نفسیات، طرز کلام، محاورات، تاریخی پس منظر کے مطابق ہو، جسے فن بلاغہ میں "مقتضی الحال" کہا جاتا ہے۔ اس لحاظ سے صحابہ سے بہتر کون قرآن مجید کو سمجھ سکتا ہے؟!

ج) صحابہ کرام قرآن مجید کے متعدد اسباب نزول اور واقعات کے عینی شاہد ہیں، کلام کے ساتھ کچھ

---

۱ مقدمہ اصول تفسیر:۹

۲ تفسیر طبری(۱/۹۰)ح:۱۰۵

۳ تفسیر طبری(۱/۹۰)ح:۱۰۷

ملابسات، قرائن وشواہد اور پس منظر کی ایسی چیزیں منسلک ہوتی ہیں جو نفس کلام میں موجود نہیں ہوتیں، عام سامع ان کو پوری طرح تب تک سمجھ ہی نہیں سکتا جب تک اس کے سامنے پورا ماحول اور پس منظر نہ ہو۔ مثال کے طور پر غزوۂ بدر کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿إِذْ يُغَشِّيكُمُ النُّعَاسَ أَمَنَةً مِّنْهُ وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُم مِّنَ السَّمَاءِ مَاءً لِّيُطَهِّرَكُم بِهِ وَيُذْهِبَ عَنكُمْ رِجْزَ الشَّيْطَانِ وَلِيَرْبِطَ عَلَىٰ قُلُوبِكُمْ﴾ [الانفال:۱۱]

"جب اللہ تعالیٰ تم پر اونگھ طاری کر رہا تھا اپنی طرف سے چین دینے کے لیے اور تم پر آسمان سے پانی برسا رہا تھا کہ اس پانی کے ذریعے سے تم کو پاک کر دے اور تم سے شیطانی وسوسہ کو دفع کر دے اور تمہارے دلوں کو مضبوط کر دے۔"

لغت کے معروف امام ابوعبیدہ نے وَيُثَبِّتَ بِهِ الْأَقْدَامَ کو مجازی معنی پر محمول کیا ہے اور لکھا ہے:

مجازه يفرغ عليهم الصبر وينزله عليهم فيثبتون لعدوهم[1].

"ثابت قدمی مجازی معنی میں ہے، اس سے مراد ہے بھرپور صبر کا نزول تاکہ وہ دشمن کے سامنے ڈٹ جائیں۔"

جبکہ صحابہ کرام جن پر احسانات کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ انہیں مخاطب کر رہا ہے، وہ خود اس واقعہ کے عینی شاہد اور شرکاء معرکہ ہیں ان کے نزدیک اونگھ طاری ہونا اور بارش برسنا اپنے سے حقیقی معنی میں ہے۔

ابوعبیدہ کے اس قول پر تبصرہ کرتے ہوئے امام طبری لکھتے ہیں:

وذلك قول خلاف لقول جميع أهل التأويل من الصحابة والتابعين، وحَسْبُ قول خطأً أن يكون خلافاً لقول من ذكرنا، وقد بينا أقوالهم فيه، وأن معناه: ويثبت أقدام المؤمنين بتلبيد المطر الرمل حتىٰ لا تسرح أقدامهم وحوافر دوابهم[2].

"اور ابوعبیدہ کا قول تمام مفسرین صحابہ و تابعین کے مخالف ہے اور کسی قول کے غلط ہونے کے لیے یہی بات کافی ہے کہ وہ مذکورہ لوگوں کے مخالف ہو، اس بارے ابھی ہم ان کے اقوال واضح کر چکے ہیں

---

۱ مجاز القرآن:۱/ ۲۴۲

۲ تفسير الطبري، ۹/ ۱۹۷، تفسير ابن عطية:۱۳/ ۲۴۵، ۹/ ۴۲۹، معاني القرآن، ٤/ ۳۰۹، فصول في أصول التفسير، الطيار:٤٦-٧، تفسیر قرآن کے اصول وقواعد، عبید الرحمٰن محسن:۱۷۹]

اور یہ بھی واضح کر چکے ہیں کہ ان کے نزدیک ثابت قدمی کا مفہوم یہ ہے کہ بارش کے نزول سے ریت گیلی اور تر ہو گئی اور اس طرح اللہ تعالیٰ نے مومنین کے پاؤں جما دیے تاکہ نہ ان کے اپنے پاؤں پھسلیں اور نہ ہی ان کے جانوروں کے۔"

اگر مزید غور و فکر کیا جائے تو صحابہ و تابعین کا بیان کردہ معنی سببِ نزول، سیاق و سباق اور خود آیت کی اندرونی ترتیب کے لحاظ سے بھی راجح قرار پاتا ہے۔ تفصیل میں جائے بغیر صرف ایک پہلو پر غور کرنے سے ہی صحابہ کا مفہوم راجح نظر آنے لگتا ہے، مثلاً: اگر ثابت قدمی سے مجازی معانی مراد لیا جائے تو تکرار غیر مفید ماننا پڑے گا، کیونکہ صبر و ثبات کا تذکرہ تو "وَلِيَرْبِطَ عَلَىٰ قُلُوبِكُمْ" کہہ کر پہلے ہی کیا جا چکا ہے جو کہ نزول صبر کی خوبصورت پیرائے میں تصویر کشی کر رہا ہے، لہٰذا دوبارہ اس کے تذکرے کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی۔

اس طرح کی بیسیوں مثالیں کتب تفسیر میں جا بجا موجود ہیں۔ جن سے واضح ہوتا ہے کہ بعض قرآنی آیات کو سمجھنے کے لیے صحابہ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیے بغیر مرادِ الٰہی تک درست رسائی ممکن نہیں۔

قرآنی آیت یا حدیث کی تفسیر و توضیح میں اگر سلف کا اجماع ثابت نہ بھی ہو، تاہم خیر القرون کے مشہور اور معروف ائمہ دین نے اسے نصوص شرعیہ کی واحد تشریح کے طور پر اختیار کر لیا ہو، ان کے دور میں ایک نمائندہ تشریح کے طور پر جمہور اہل علم کے ہاں مقبول ہو گیا ہو اور اس کے مخالف کوئی قول ثابت نہ ہو تو یہ بھی بدرجہ اجماع یا کم از کم ان کے نمائندہ موقف کے طور پر جمہور اہل علم کے نزدیک، جیسا کہ گزشتہ سطور میں وضاحت گزر چکی ہے واجب التسلیم ہو گا۔[1]

جس طرح بعض آیات بینات کو سمجھنے کے لیے اسباب النزول کی ضرورت ہوتی ہے، اسی طرح بعض احادیث مبارکہ کا درست پس منظر جاننے کے لیے اسباب ورود الحدیث کی حاجت ہوتی ہے۔

۳۔ وحی کے ساتھ تعامل میں سلف کا منہج

سلف صالحین کا طرز استدلال اور منہج استنباط بھی فہم سلف کا ایک اہم ترین اور اصولی و بنیادی حصہ ہے۔ قرآنی آیات سے جس طرح وہ عموم و خصوص، ناسخ و منسوخ کا تعین کرتے تھے۔ احادیث مبارکہ کو جو وہ مقام دیتے تھے۔ یہ بھی فہم سلف کا ایک روشن باب اور مینارۂ ہدایت ہے۔ جس طرح وہ فطری اور سادہ مفاہیم مراد

---

1 فهم السلف الصالح للنصوص الشرعية، عبدالله الدميجي: ٤٩

لیتے تھے۔ جس طرح وہ عقل پر نقل کو مقدم رکھتے تھے۔ جس طرح وہ بیرونی نظریات اور درآمد شدہ افکار سے متاثر ہوئے بغیر شرعی معانی مراد لیتے تھے۔ وہی طرز استدلال درست اور صائب ہے۔

۴۔ فقہی مسائل میں سلف کا اجتماعی فہم

قرآن مجید میں مذکور آیات الاحکام اوراحادیث میں وارد نبوی ارشادات وہدایات کی روشنی میں سلف صالحین اپنی زندگی گزارتے رہے۔ جو ان کے دور میں اجتماعی فہم ، فقہی مسائل کے حوالے سے طے ہو گیا درحقیقت وہ شریعت کا منشا اور مراد الٰہی ہے۔ اس لیے اس سے انحراف سراسر گمراہی اور بدعت ہے۔ اس باب میں کیا بدعت ہے اور کیا نہیں؟ جہاں بھی اس طرح کا اختلاف ہو گا۔ سلف کا فہم ہی میزان قرار پائے گا۔

۵۔ تزکیہ واحسان میں سلف کا اجتماعی تعامل

تقرب الی اللہ، اذکار ووظائف ، دعا ومناجات ، روحانی ترقی اور عبادت واحسان کے مدارج کیسے طے کرنے ہیں، اس باب میں شرعی تعلیمات پر عمل کا بالفعل کیا طریقہ ہے، اس حوالے سے بھی میزان فہم سلف ہی ہے۔

ویسے تو تمام گمراہ فرقے بھی قرآن وسنت ہی کا نام لیتے ہیں، روافض جیسا بدترین گروہ اپنے مکروہ عقائد کی تائید میں قرآنی آیات اوراحادیث نبویہ پیش کرتا ہے، نیچری بھی قرآنی فکر کا نام لیتے ہیں، غالی صوفی بھی آیات واحادیث سے اپنے کشف، وجدان اور نامعلوم کیا کیا ضلالات کشید کرتے ہیں، حتی کہ قادیانی اور غیر مسلم بھی اپنے حق میں آیات واحادیث استعمال کرتے ہیں۔ ان سب کی تردید میں اصل معانی کی پہچان خیر القرون کے مسلمہ فہم سے وابستہ ہے۔ آیات بینات اوراحادیث مبارکہ کے داخلی قرائن ، سیاق وسباق ، لغوی اسالیب جیسے خیر القرون میں سمجھے گئے وہی حق ہیں، باقی سب باطل اور سراسر تحریف۔

حجیت فہم سلف پر دلائل

قرآنی دلائل

قرآن مجید میں سینکڑوں آیات مبارکہ صحابہ کرام کی فضیلت بتا رہی ہیں، ان سے جس طرح صحابہ کرامؓ کے کردار کا سرٹیفکیٹ ملتا ہے ان کے علم کا تزکیہ بھی از خود مترشح ہوتا ہے۔ کیونکہ علم ہمیشہ عمل سے مقدم ہوتا ہے، جب علم درست ہو تو عمل بھی درست ہوتا ہے، علم ہی غلط ہو تو عمل کیسے درست ہو سکتا ہے؟۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے مفلحون، مخلصون، صادقون، كتب فى قلوبهم الايمان، ألزمهم كلمة التقوى، رضوان کے سرٹیفکیٹس محض لفظی فضائل نہیں ہیں، بلکہ ان کے اعمال وافکار اور علم وعمل

کا تزکیہ بھی ہیں۔ بلکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ایمان کو معیار قرار دینا خود ان کے عقائد تک کا ربانی سرٹیفکیٹ ہے۔

ان آیات میں سے چند پیش خدمت ہیں، جن سے قائلین فہم سلف نے بالخصوص استدلال کیا ہے:

① ﴿ وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ ﴾

[التوبة: ١٠٠]

"اور جو مہاجرین اور انصار سابق اور مقدم ہیں اور جتنے لوگ اخلاص کے ساتھ ان کے پیرو ہیں اللہ ان سب سے راضی ہوا اور وہ سب اس سے راضی ہوئے اور اللہ نے ان کے لیے ایسے باغ مہیا کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے یہ بڑی کامیابی ہے۔"

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دونوں طبقات مہاجرین وانصار کی مدح وتوصیف کی اور ان کی اتباع کرنے والوں کو اپنی رضامندی کا سرٹیفکیٹ دیا ہے۔ اس آیت سے واضح معلوم ہوتا ہے کہ

- صحابہ کی اتباع اللہ تعالیٰ کی رضا کا ذریعہ ہے۔
- اتباع میں عقیدہ ونظریہ، عمل واخلاق سب کچھ شامل ہے۔
- صحابہ رضی اللہ عنہم کی اتباع پر رضا الٰہی کی نوید اس بات کی دلیل ہے کہ صحابہ کا منہج، عقیدہ وعمل صحیح ہے۔
- صحابہ کرام کی اتباع کرنے والے قیامت تک کے اللہ تعالیٰ کو پسندیدہ لوگ ہیں۔
- اگرچہ اتباع کا لفظ عام ہے، تاہم تابعین اور تبع تابعین دیگر نصوص اور شواہد کی بنا پر اس اتباع میں سرفہرست ہیں۔

② ﴿ فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا هُمْ فِيْ شِقَاقٍ فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝ ﴾ [البقرة: ١٣٧]

"تو اگر یہ لوگ بھی اسی طرح ایمان لے آئیں جس طرح تم ایمان لے آئے ہو تو ہدایت یاب ہو جائیں اور اگر منہ پھیر لیں (اور نہ مانیں) تو وہ (تمہارے) مخالف ہیں اور ان کے مقابلے میں تمھیں اللہ کافی ہے۔ اور وہ سننے والا (اور) جاننے والا ہے۔"

اس آیت میں لوگوں کو صحابہ جیسے ایمان کی دعوت دی گئی ہے۔ ظاہری اعتبار سے اور باطنی یقین کے لحاظ سے ان جیسا ایمان بعد والوں کے لیے ممکن نہیں۔ تو صحابہ کے ایمان کو معیار قرار دینے کا یہی مطلب ہے کہ ان چیزوں پر ایمان لائیں جن پر وہ ایمان لائے اور اس منہج وعقیدہ کو تسلیم کریں جس پر وہ ایمان لائے۔

③ ﴿وَ مَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَ يَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَ نُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَ سَآءَتْ مَصِيْرًا﴾[النساء:۱۱۵]

"جو شخص باوجود راہ ہدایت کے واضح ہو جانے کے بھی رسول اللہ ﷺ کے خلاف کرے اور تمام مومنوں کی راہ چھوڑ کر چلے، ہم اسے ادھر ہی متوجہ کر دیں گے جدھر وہ خود متوجہ ہو اور دوزخ میں ڈال دیں گے وہ پہنچنے کی بہت ہی بری جگہ ہے۔"

اس آیت مبارکہ میں رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کے علاوہ سبیل المومنین سے ہٹنے پر سخت وعید سنائی گئی ہے۔ سبیل المومنین سے مراد، اہل ایمان کے عقائد وافکار اور اعمال ہیں، اور اہل ایمان میں سب سے مقدم خیر القرون کے لوگ ہیں۔ اس آیت میں ان لوگوں کی اتباع کو ثابت اور مخالفت کو ممنوع قرار دیا جارہا ہے۔ ان کی اتباع اور مخالفت دونوں کی بنیاد فہم ہی ہے۔ ان کا فہم حجت نہیں ہو گا تو ان کی اتباع کیونکر ہو گی؟

④ ﴿كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ﴾ [آل عمران:۱۱۰]

"تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لئے پیدا کی گئی ہے تم نیک باتوں کا حکم کرتے ہو اور بری باتوں سے روکتے ہو اور اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہو۔"

اس آیت مبارکہ کے اولین مصداق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں، پھر ان کے نقش قدم پر چلنے والے امت کے تمام افراد۔ ان کو بہترین قرار دینا اس بات کی علامت ہے کہ ان کا عقیدہ، عمل سب سے بہتر ہے۔

غرضیکہ اجماع امت کی حجیت پر جن آیات سے استدلال کیا گیا ہے، وہ تمام آیات فہم سلف کی حجیت پر بالاولیٰ دلالت کرتی ہیں۔

احادیث مبارکہ سے دلائل

احادیث مبارکہ میں بھی جابجا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے علم وفکر اور عقیدہ وعمل کے مناقب درج ہیں:

① فرقہ ناجیہ کی وضاحت کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

وَتَفْتَرِقُ أُمَّتِي عَلَى ثَلَاثٍ وَسَبْعِينَ مِلَّةً كُلُّهُمْ فِي النَّارِ إِلَّا مِلَّةً وَاحِدَةً، قَالُوا: وَمَنْ هِيَ يَا رَسُولَ اللهِ؟ قَالَ: مَا أَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِي[1].

---

1 جامع ترمذی:۲۶۴۱

"اور میری امت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی اور ایک فرقہ کو چھوڑ کر باقی سبھی جہنم میں جائیں گے، صحابہ نے عرض کیا: اللہ کے رسول! یہ کون سی جماعت ہو گی؟ آپ نے فرمایا: "یہ وہ لوگ ہوں گے جو میرے اور میرے صحابہ کے نقش قدم پر ہوں گے"۔

رسول اللہ ﷺ صرف اتنا فرما دیتے: ما أنا علیه "وہ راستہ و منہج جس پر میں ہوں" تو کافی تھا، لیکن آپؐ نے فرمایا: ما أنا علیه وأصحابي "جس راہ پر میں خود ہوں اور میرے صحابہ"۔ اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ دین کے وہ مُسلّمات جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہاں قائم ہو گئے اور حق و باطل کی جو بنیادیں اور نصوص وحی سے استدلال کے جو اصول ان کے دور میں قائم ہو گئے، بعد والے خصوصاً اختلاف و تفرقہ کے ادوار سے وابستہ لوگ انہی بنیادوں، انہی مُسلّمات اور انہی اصولوں کو اپنانے اور انہی پر کاربند رہنے کے پابند ہیں۔

② حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

سُئِلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَيُّ النَّاسِ خَيْرٌ؟ قَالَ:" قَرْنِي، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ [1]

"نبی کریم ﷺ سے پوچھا گیا کہ کون لوگ اچھے ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میرا زمانہ، پھر وہ لوگ جو اس سے قریب ہوں گے پھر وہ لوگ جو اس سے قریب ہوں گے۔"

صحابہ کرام کو خیر الناس کہنے کا تقاضا یہ ہے کہ علم و عمل میں وہ سب سے بہتر ہیں اور انہی کا فہم مقدم ہے۔

③ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

تسمعون، ويسمع منكم، ويسمع ممن سمع منكم [2]

"تم لوگ (علم دین) مجھ سے سنتے ہو اور لوگ تم سے سنیں گے اور پھر جن لوگوں نے تم سے سنا ہے لوگ ان سے سنیں گے۔"

یہ حدیث خبر بھی ہے اور امر بھی، جس میں صحابہ کرام کو رسول اللہ ﷺ سے علم حدیث حاصل کرنے کی ترغیب دی گئی ہے، اسی طرح صحابہ سے تابعین اور تابعین سے تبع تابعین کو علم حدیث سیکھنے کی ترغیب ہے اور یہ ان تینوں طبقات کے لیے بدرجہ تزکیہ ہے۔

---

۱ صحیح بخاری: ۲۶۵۸

۲ ابو داؤد، ۳۶۵۹

④ سیدنا واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لا تَزالونَ بخَيرٍ ما دامَ فيكُم مَن رآني وصاحَبَني، والله لا تزالونَ بخَيرٍ ما دامَ فيكُم مَن رأى مَن رآني وصاحبَ مَن صاحَبَني، والله لا تزالونَ بخَيرٍ ما دامَ فيكُم مَن رأى مَن رأى مَن رآني وصاحَبَ مَن صاحَبَ مَن صاحَبَني[1].

”تم ہمیشہ بہترین حالت میں رہوگے، جب تک تمہارے درمیان مجھے دیکھنے والا اور میرا کوئی صحابی موجود ہوگا۔ اللہ کی قسم تب تک بھی تم بہترین حالت میں رہوگے جب تک تمہارے درمیان میرے صحابی کو دیکھنے والا اور اور اس کا کوئی ساتھی (تابعی) موجود ہوگا، اور اللہ کی قسم اس وقت تک بھی تم بہترین حالت میں رہوگے جب تک تمہارے درمیان کوئی ایسا شخص ہوگا جس نے میرے کسی صحابیکو دیکھنے والے (یعنی تابعی) کو دیکھا ہوگا اور میرے صحابی کے ساتھی کا ساتھی رہا ہوگا۔“

اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے اپنے دیدار سے مشرف ہونے والے نفوس قدسیہ کے ساتھ خیر کو وابستہ کیا، اسی طرح صحابہ کی زیارت سے مشرف ہونے والے تابعین کے ساتھ بھی خیر کو لازم قرار دیا اور تبع تابعین کے ساتھ بھی خیر کو جزو لاینفک قرار دیا۔

⑤ حضرت ابو بردہ اپنے والد سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ فرمایا:

النُّجومُ أَمَنَةٌ لِلسَّماءِ، فَإِذَا ذَهَبَتِ النُّجُومُ أَتَى السَّماءَ مَا تُوعَدُ، وَأَنَا أَمَنَةٌ لِأَصْحَابِي، فَإِذَا ذَهَبْتُ أَتَى أَصْحَابِي مَا يُوعَدُونَ، وَأَصْحَابِي أَمَنَةٌ لِأُمَّتِي، فَإِذَا ذَهَبَ أَصْحَابِي أَتَى أُمَّتِي مَا يُوعَدُونَ[2].

”ستارے آسمان کے بچاؤ ہیں، جب ستارے مٹ جائیں گے تو آسمان پر بھی جس بات کا وعدہ ہے وہ آ جائے گی (یعنی قیامت آجائے گی اور آسمان بھی پھٹ جائے گا)۔ اور میں اپنے اصحاب کا بچاؤ ہوں۔ جب میں چلا جاؤں گا تو میرے اصحاب پر بھی وہ وقت آجائے گا جس کا وعدہ ہے (یعنی فتنہ اور فساد اور لڑائیاں)۔ اور میرے اصحاب میری امت کے بچاؤ ہیں۔ جب اصحاب چلے جائیں گے تو میری امت پر وہ وقت آجائے گا جس کا وعدہ ہے (یعنی اختلاف وانتشار وغیرہ)۔“

---

1 السنۃ، لابن ابی عاصم: ۱۴۸۱

2 صحیح مسلم: ۲۵۳۱

- اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح آسمان میں چمکتے دمکتے ستارے آسمان کی بقا کی نشانی ہیں، اسی طرح نبی رحمت ﷺ کی حیات طیبہ امت کی درست سمت میں بقا اور بچاؤ کی علامت ہیں۔
- جو نسبت نبی کریم ﷺ نے اپنی ذات کو امت کے ساتھ دی وہی نسبت اپنے اصحاب کو عطا فرمائی۔
- ستاروں کے تذکرے سے صحابہ کی بصیرت اور نور ایمان کی طرف بھی اشارہ ملتا ہے۔
- جس طرح ستارے راستے کی نشان دہی کرتے ہیں، اسی طرح صحابہ امت کے لیے ایمان و عمل کی درست راہیں متعین کرتے ہیں۔
- جن کی یہ منقبت ہے، یقیناً ان کا اجتماعی فہم امت کے لئے مشعل راہ ہے اور ستاروں کی طرح ضیاپاشی کا باعث ہے۔

⑥ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

إِنَّ اللهَ لَا يَجْمَعُ أُمَّتِي، أَوْ قَالَ: أُمَّةَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى ضَلَالَةٍ، وَيَدُ اللهِ مَعَ الْجَمَاعَةِ، وَمَنْ شَذَّ شَذَّ إِلَى النَّارِ[1]

"اللہ تعالیٰ میری امت کو یا یہ فرمایا: "محمد ﷺ کی امت کو گمراہی پر اکٹھا نہیں کرے گا، اللہ کا ہاتھ (اس کی مدد و نصرت) جماعت کے ساتھ ہے، جو شخص جماعت سے الگ ہوا وہ جہنم میں گرا۔"

یہ حدیث اجماع کی حجت پر دلیل ہے خیر القرون کے فہم پر بالاولیٰ حجت اور دلیل قاطع ہے۔

آثار صحابہ و تابعین

خود صحابہ کرام و تابعین عظام سے بھی سلف اول کی اتباع و اقتدا کے بارے میں کثرت سے آثار منقول ہیں، ان سے چند مندرجہ ذیل ہیں۔

① سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ قول آب زر سے لکھنے کے قابل ہے۔

مَنْ كَانَ مِنكُمْ مُتَأَسِّيًا فَلْيَتَأَسَّ بِأَصْحَابِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؛ فَإِنَّهُمْ كَانُوا أَبَرَّ هَذِهِ الْأُمَّةِ قُلُوبًا وَأَعْمَقَهَا عِلْمًا وَأَقَلَّهَا تَكَلُّفًا وَأَقْوَمَهَا هَدْيًا وَأَحْسَنَهَا حَالًا، قَوْمًا اخْتَارَهُمُ اللهُ تَعَالَى لِصُحْبَةِ نَبِيِّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَاعْرِفُوا لَهُمْ فَضْلَهُمْ

---

1 جامع ترمذی، ۲۱۶۷

وَاتَّبِعُوهُمْ فِي آثَارِهِمْ؛ فَإِنَّهُمْ كَانُوا عَلَى الْهُدَى الْمُسْتَقِيمِ[1].

”جو آدمی کسی طریقہ کی پیروی کرنا چاہے تو اس کو چاہیے کہ ان لوگوں کی راہ اختیار کرے جو فوت ہو گئے ہیں، کیونکہ زندہ آدمی (دین میں) فتنہ سے محفوظ نہیں ہوتا اور وہ لوگ (جو فوت ہو گئے ہیں اور جن کی پیروی کرنی چاہیے) رسول اللہ ﷺ کے اصحاب ہیں، جو اس اُمت کے بہترین لوگ تھے، دلوں کے اعتبار سے انتہا درجہ کے نیک، علم کے اعتبار سے انتہائی کامل اور بہت کم تکلف کرنے والے تھے، ان کو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کی رفاقت اور اپنے دین کو قائم کرنے کے لیے منتخب کیا تھا، لہٰذا تم ان کی بزرگی کو پہچانو اور ان کے نقش قدم کی پیروی کرو اور جہاں تک ہو سکے ان سے آداب و اخلاق کو اختیار کرتے رہو، (اس لیے کہ) وہی لوگ ہدایت کے سیدھے راستہ پر تھے۔“

حضرت ابنِ مسعودؓ کا یہ قول فہم سلف کا ٹھیک ٹھیک مقام متعین کرتا ہے۔ کہ دین کی تعبیر میں جب آپ یہ فیصلہ کرنا چاہیں کہ صحابہ کرام کے پیچھے چلوں یا کسی معاصر مفکر کی تقلید کروں؟ تو صحابہ کا دامن تھام لینا۔

② سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے خوارج سے مناظرہ کرتے ہوئے، فہم سلف کو بطور مقدمہ پیش کیا:

أتيتكم من عِندِ صحابةِ النَّبيِّ صلَّى اللهُ عليه وسلَّم من المهاجِرين والأنصارِ لأُبَلِّغَكم ما يقولون وتُخبروني بما تقولون، فعليهم نَزَل القرآنُ وهم أعلَمُ بالوحي منكم، وفيهم أُنزِلَ، وليس فيكم منهم أحَدٌ[2].

”میں تمہارے پاس انصار و مہاجرین کا نمائندہ بن کر آیا ہوں۔ تاکہ میں تمہیں ان کا موقف پہنچا سکوں، اور تم میرے سامنے اپنا موقف رکھ سکو۔ (سنو!) اُن کی موجودگی میں قرآن مجید نازل ہوا، اور وہ اس کی تفسیر و تاویل کا تم سے زیادہ علم رکھتے ہیں۔ اور تم میں سے کوئی شخص بھی صحابی نہیں ہے۔“

③ مسجد میں مخصوص اجتماعی ذکر کی مجلس منعقد کرنے والوں کا رد کرتے ہوئے ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

إِنَّكُمْ لَعَلَى مِلَّةٍ هِيَ أَهْدَى مِنْ مِلَّةِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوْ مُفْتَتِحُو بَابِ ضَلَالَةٍ[3].

---

1 جامع بيان العلم وفضله لابن عبدالبر (۲/۹۴۷): ۱۸۱۰، اس کی سند میں اگرچہ ضعف ہے، تاہم معنیٰ درست اور طے شدہ ہے۔

2 سنن بیہقی: ۱۸۶/۱۷

3 سنن الدارمی: ۲۱۰

''تم یا تو محمد ﷺ کی جماعت سے زیادہ ہدایت یافتہ بننا چاہتے ہو یا تم گمراہی کا دروازہ کھولنے والے ہو؟!

④ حضرت عمر بن عبد العزیز نے اپنے عامل عدی بن ارطاۃ کے نام خط لکھ کر اسے منہج سلف کا درس دیا۔

فارض لنفسك بما رَضِيَ به القوم لأنفسهم؛ فإنَّهم عن علمٍ وقفُوا، وبِبَصرٍ نافذٍ كفُّوا[1].

''تم اپنے لیے وہی پسند کرو جو سلف نے اپنے لیے پسند کیا۔ ان کا ہر موقف علم پر مبنی تھا، اور ان کی ہر خاموشی اور ترک، پوری بصیرت کی بنیاد پر تھا۔''

اجماع امت

جس مفہوم میں ہم فہم سلف کو مقام دے رہے ہیں یہ اہل سنت کے ہاں کبھی مختلف فیہ مسئلہ نہیں رہا۔ امام ابن تیمیہ نے تو اس معنی میں فہم سلف کو دین کی بدیہی حقیقت، فطری ضرورت اور آیات واحادیث پر تدبر کا نتیجہ قرار دیا ہے۔ بلکہ اس معنی میں فہم سلف کی اہمیت پر اہل السنہ کا اجماع نقل کیا ہے، امام ابن تیمیہ فرماتے ہیں:

وَمِنَ الْمَعْلُومِ بِالضَّرُورَةِ لِمَنْ تَدَبَّرَ الْكِتَابَ وَالسُّنَّةَ وَمَا اتَّفَقَ عَلَيْهِ أَهْلُ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ مِنْ جَمِيعِ الطَّوَائِفِ: أَنَّ خَيْرَ قُرُونِ هَذِهِ الْأُمَّةِ - فِي الْأَعْمَالِ وَالْأَقْوَالِ وَالِاعْتِقَادِ وَغَيْرِهَا مِنْ كُلِّ فَضِيلَةٍ أَنَّ خَيْرَهَا: الْقَرْنُ الْأَوَّلُ ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ كَمَا ثَبَتَ ذَلِكَ عَنْ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم مِنْ غَيْرِ وَجْهٍ وَأَنَّهُمْ أَفْضَلُ مِنْ الْخَلَفِ فِي كُلِّ فَضِيلَةٍ: مِنْ عِلْمٍ وَعَمَلٍ وَإِيمَانٍ وَعَقْلٍ وَدِينٍ وَبَيَانٍ وَعِبَادَةٍ وَأَنَّهُمْ أَوْلَى بِالْبَيَانِ لِكُلِّ مُشْكِلٍ. هَذَا لَا يَدْفَعُهُ إلَّا مَنْ كَابَرَ الْمَعْلُومَ بِالضَّرُورَةِ مِنْ دِينِ الْإِسْلَامِ وَأَضَلَّهُ اللهُ عَلَى عِلْمٍ؛ كَمَا قَالَ عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ[2].

''قرآن وسنت، اہل السنہ کے تمام طبقات کے متفق علیہ موقف پر غور کرنے والے ہر شخص کو بدیہی طور پر معلوم ہے کہ اس امت کے تمام ادوار میں سے سب سے بہترین دور قرن اول ہے۔ پھر اس سے ملے ہوئے لوگ اور پھر ان کے بعد کے لوگ۔ یہ لوگ اعمال، اقوال، اعتقادات و نظریات اور ہر فضیلت کے لحاظ سے بہترین ہیں۔ جیسا کہ متعدد روایات سے نبی کریم ﷺ سے بھی ثابت ہے۔ یہ بات بھی طے شدہ ہے کہ ان طبقات کے لوگ ہر فضیلت میں بعد والوں سے افضل

---

1 الشریعہ، للآجری، ۵۳۹

2 مجموع الفتاوی: ۴/ ۱۵۷

اور بہتر ہیں، علم میں بھی، عمل میں بھی اور ہر پیچیدہ مسئلے کو سلجھانے میں بھی۔ اس کا انکار صرف وہی شخص کر سکتا ہے جو بدیہیات کے سامنے تکبر کرتا ہو اور علم کے باوجود اللہ تعالیٰ نے ہی اس کے لیے گمراہی کا فیصلہ کر دیا ہو۔ یہ حقیقت عبد اللہ بن مسعودؓ کے قول سے بھی ثابت ہے۔"

فہم سلف کی اہمیت پر تاریخی و عقلی شواہد

تاریخی لحاظ سے اہمیت

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پاس روحانی اور لغوی و تاریخی لحاظ سے علم دین کے وہ تمام اسباب مجتمع ہو گئے تھے جن کا بعد کے لوگوں کو عشر عشیر بھی میسر نہیں۔ مجموعی طور پر جو صحابہ کے عمل اور بعد والوں کے عمل میں تفاوت ہے وہی ان کے فہم میں بھی من حیث الجماعت تفاوت ہے۔ بلکہ غیبیات کے متعلق ان کے ارشادات کو مرفوع حکمی کا درجہ حاصل ہے۔ بشرطیکہ وہ اسرائیلیات سے مستفاد نہ ہو۔

ملاوٹ سے محفوظ خالص فہم

سلف کا فہم خالص قرآن وسنت کی عبارات پر مبنی ہوتا ہے۔ اس میں نہ فلسفہ کی موشگافیاں ہیں، نہ تحریف و تاویل، نہ غیر اسلامی نظریات کی آمیزش اور نہ ہی درآمد شدہ افکار کی ملاوٹ ہے۔ سلف کا ذہنی سانچہ خالصتاً قرآن وسنت میں ڈھلا ہوا تھا، اس لیے وہ اہم ہے، بعد والے لوگوں کے فہم میں یہ چیزیں عموماً جمع نہیں ہوتیں۔

اخلاص پر مبنی فہم

سلف کا فہم اخلاص پر مبنی تھا۔ نہ اس میں سیاسی مفادات تھے، نہ جماعتی تعصبات، نہ گروہ بندی کے اسیر تھے، نہ فرقہ واریت کے قیدی، نہ انہیں دنیا کی کوئی متاع عزیز تھی، نہ ہی کوئی تعلق۔ انہوں نے جو سمجھا پورے خلوص سے سمجھا اور سمجھایا۔ بعد والوں کے فہم میں یہ اخلاقی قدریں اس درجے پر نہیں ملتیں۔

تعلق باللہ اور خاص ایمانی بصیرت

تعبیر دین میں تقویٰ، للّٰہیت، تعلق باللہ، تہجد، اذکار، رزق حلال، پابندی شریعت کا بھی بڑا عمل دخل ہوتا ہے۔ یہ چیزیں جس درجے میں خیر القرون میں پائی جاتی تھیں، بعد کے ادوار میں اس درجے کی نہیں ہیں۔ اس وجہ سے جو سلف کے فہم میں معیار ہے وہ بعد کے لوگوں میں نہیں ہے۔

فصاحت قرآنی کا تقاضا

فہم سلف کی اہمیت اس زاویے سے بھی دیکھنے کی ضرورت ہے کہ وہ سفر و حضر میں نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ

رہنے والے، نزول ملائکہ کا مشاہدہ کرنے والے، آیات کی تنزیل کا مصداق بننے والے صحابہ کرام ہی اگر کسی آیت کو سمجھ نہیں پائے اور کم وبیش ساڑھے چودہ سو سال کے بعد کسی محقق کو اس آیت کا ایسا درست مطلب دریافت ہوا جس سے صحابہ کرام ہی کی تغلیط ہو رہی ہے (فہم سلف کے منکرین در حقیقت یہی کہہ رہے ہوتے ہیں) تو یقیناً یہ فکر فصاحت قرآن مجید پر ایک سوال کھڑا کرتی ہے!!!

گمراہی اور بدعات سے حفاظت کی ضمانت

فہم سلف چونکہ قرآن وسنت کی صحیح تعبیر ہی کا دوسرا نام ہے۔ اس لیے یہ گمراہی سے حفاظت کی ضمانت فراہم کرتا ہے، یہ انسان کو بدعات سے بچاتا ہے۔ کیونکہ جن کو سکھانے کے لیے جبریل انسانی شکل میں آسمان سے نازل ہوتا رہا اور پیغمبر اسلام خود ان کی تربیت کرتے رہے، بھلا ان سے بھی بہتر کسی کا عقیدہ ہو سکتا ہے۔
ملائکہ، وحی، آسمانی کتب اور تقدیر پر ایمان انہی کے منہاج پر، عذاب قبر، یوم آخرت، حوض کوثر، شفاعت، جنت و جہنم، ایمان کی حقیقت، مقام صحابہ کرام اور ان کے درجات ان سب کے متعلقہ نصوص کو سمجھنے میں جتنے بھی گم راہ فرقوں نے گم راہیاں ایجاد کیں، سب کی بنیادی وجہ فہم سلف سے دوری ہے۔
شرک کی دلدل میں وہی لوگ جا گرے جنہوں نے توحید و شرک سے متعلق آیات بینات کو سلف کی راہ سے ہٹ کر سمجھا۔ کسی نے عقل کو معیار بنایا، کسی نے مخصوص اہل بیت کو فہم نصوص میں حرف آخر سمجھا، اور کسی نے اپنے اکابر تراش لیے، اور کچھ تجدد پسندوں نے اپنی خود ساختہ، تحریف پر مبنی، جدیدیت سے مرعوب غلامانہ ذہنیت کو ہی خالص قرآن کا نام دے ڈالا۔ ان سب اندھیروں میں اہل السنہ نے ہی ایک قندیل روشن کی۔ خوارج، نواصب، روافض، معتزلہ، قدریہ اور جہمیہ وغیرہ جیسے گمراہ فرقوں نے تبھی جنم لیا، جب انہوں نے صحابہ وتابعین کے فہم سے دوری اختیار کی اور سبیل المومنین سے اپنا راستہ الگ کر لیا۔

فہم سلف پر بعض اشکالات کا ازالہ

پہلا اشکال: قرآن وسنت کے ساتھ تیسرے مصدر تشریع کا اضافہ کیوں؟

فہم سلف پر منکرین کی طرف سے سب سے پہلا اور بنیادی اعتراض یہ اٹھایا جاتا ہے کہ قرآن وسنت کے ساتھ ایک تیسرے مصدر تشریع کا اضافہ درست نہیں ہے۔ حالانکہ قرآن وسنت کے بالمقابل فہم سلف کو کھڑا کرنا، اس موضوع کے ساتھ بدترین ناانصافی ہے۔
اس معنی میں فہم سلف کو حجت کہنا جس کی وضاحت ہم کر آئے ہیں، دین میں کسی تیسرے مصدر تشریع کا

اضافہ نہیں، بلکہ قرآن وسنت کے صحیح فہم تک رسائی کے لیے درست منہاج کی نشان دہی ہے۔

جب ہم یہ کہتے ہیں کہ قرآنی الفاظ کی تشریح کے لیے عربی لغت کا فہم ضروری ہے تو کوئی ذی عقل یہ نہیں کہتا کہ یہ قرآن وسنت کے متوازی ایک تیسری چیز کا اضافہ ہے!! بلکہ ہر صاحب شعور کہے گا کہ عربی زبان کی ضرورت در حقیقت قرآن وسنت کی خدمت کی حیثیت سے ہے، نہ کہ ایک متوازی تیسری وحی کے طور پر۔ بعینہ اسی طرح قرآن وسنت کی نصوص کو سمجھنے کے لیے صحابہ کرام اور تابعین کی تشریحات ہمارے نزدیک ایک تاریخی ضرورت ہے اور لسانی بھی، ایک بدیہی تقاضا ہے اور ایمانی وروحانی بھی۔

فہم سلف کو قرآن وسنت کے متوازی کھڑا نہیں کیا جارہا بلکہ متاخرین کے اس فہم کے بالمقابل کھڑا کیا جارہا ہے جو انہوں نے فتنوں کے دور میں، ایمان ویقین کے ضعف کے ساتھ حاصل کیا ہے۔ اس صورت حال میں اصل سوال یہ بنتا ہے: آپ کی تشریح مقدم ہے یا صحابہ وتابعین کی؟!

دوسرا اشکال: سلف کے دور میں مبتدعین بھی موجود تھے

بعض لوگوں نے فہم سلف کا انکار کرتے کرتے صحابہ کرام اور تابعین کے مقام ومرتبہ پر افسوس ناک طریقے سے ہاتھ صاف کر دیا ہے اور یہاں تک لکھ مارا ہے کہ بڑے بڑے گم راہ فرقے عہد سلف ہی میں پروان چڑھے تھے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔۔۔ یہ سلفیت کا بغض ہے، علم کا خمار ہے یا قائلین فہم سلف کے زور خطابت کے رد عمل میں اندھا دھند قلمی زور آزمائی ہے، اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ لیکن کسی صاحب علم اور احترام سلف کو ملحوظ رکھنے والے ادنی طالب علم سے بھی اس بلنڈر کی توقع نہ تھی۔ شاید سلف کے اصطلاحی مفہوم اور لغوی مفہوم میں فرق نہ کرنے کی وجہ سے یہ سطحی اور جذباتی الفاظ نکل گئے ہیں، سلف سے مراد حضرات صحابہ کرام اور ان کے نقش پا پر چلنے والے تابعین وتبع تابعین ہیں۔ کیا صحابہ کرام میں کبھی کوئی بدعتی فرقہ بھی رہا ہے؟ کہاں سلف کی مقدس تعبیر اور کہاں اہل بدعت کے گروہ۔ ذوالخویصرہ، معبد جہنی، واصل بن عطاء، جیسے لوگ اس دور کے سلف کی نمائندگی نہیں کرتے، نہ ہی وہ صحابہ کرام کے منہج پر تھے۔ یہ اس دور کے شاذ اور گم راہ لوگ ہیں۔ ان کو سلف میں شامل کر کے سلف صالحین پر چڑھائی کرنا ایسے ہی جیسے صحابہ کرام کے تقدس پر بعض روافض جھٹ سے کہتے ہیں کہ "صحابہ کرام" میں تو منافقین بھی شامل تھے۔ (والعیاذ باللہ)۔ جس طرح ابن ابی وغیرہ کی آڑ میں صحابہ کی پوری مقدس جماعت کو مشکوک بنانا سخت بد تہذیبی ہے، اسی طرح سلف صالحین کے عہد مبارک میں چند گمراہ فرقوں کا نام لے کر سلف صالحین کی پوری جماعت کو کٹہرے میں کھڑا کرنا ناانصافی اور بد اخلاقی ہے۔ (والعیاذ باللہ) علم کی دنیا میں اصطلاحات کے ساتھ یہ کھلواڑ افسوس ناک اور باعث حیرت ہے۔

تیسرا اشکال: بعض سلف کی شاذ آراء پر اعتراض

اسی طرح فہم سلف پر اعتراض کرتے ہوئے سلف کی بعض شاذ آراء اور اجتہادی اخطاء کو پیش کرنا بھی، بالکل سطحی اعتراض ہے۔

ہر منصف مزاج شخص اس نتیجے پر پہنچ جائے گا کہ ایسی شاذ آراء اس کیٹیگری میں آتی ہیں جو قرآن وسنت سے متصادم ہیں... ان شاذ آراء کو شاذ آراء ہی کہیے، یہ بعض سلف کا انفرادی فہم ہے، نمائندہ فہم سلف نہیں۔

چوتھا اشکال: فہم سلف کی اصطلاح میں ابہام

بعض لوگوں کو یہ اعتراض ہے کہ فہم سلف کی اصطلاح متفق علیہ اور واضح اصطلاح نہیں ہے۔ بلکہ اس کی تعریف میں اختلاف ہے، کوئی اس سے صحابہ کا طبقہ مراد لیتا ہے، کوئی اسے پانچویں صدی تک کھینچ لاتا ہے۔

ہمیں یہ تسلیم ہے کہ بعض اصطلاحات ایک بدیہی حقیقت ہونے کے باوجود ان کی منطقی وفنی تعریف میں کچھ اختلاف واقع ہو جاتا ہے۔ لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس اصطلاح کی عملی حقیقت ہی کوئی نہیں۔

یہ صرف فہم سلف کی اصطلاح کا مسئلہ نہیں، ہر واضح ترین چیز میں بھی جزوی اختلاف رونما ہو سکتا ہے اور اس پر چند سطحی اشکالات اٹھائے جاسکتے ہیں۔ جیسا کہ منکرین حدیث، حجیت حدیث کے باب میں کبھی موضوع احادیث کا شوشہ چھوڑ دیتے ہیں اور کبھی اختلاف روایات کا۔ لیکن جب ہم حجیت حدیث کو تسلیم کرتے ہیں تو ایک مجموعی حیثیت سے ارشادات نبویہ کی حجیت کی بات کرتے ہیں۔ تطبیق کے لحاظ سے پھر احادیث کی درجہ بندی کی جاتی ہے۔ بعینہ ہر صاحب عقل کو کم از کم یہ تو تسلیم کرنا چاہیے کہ جس دور کو نبی کریم ﷺ نے خیر القرون کہا ہے اور جس جنریشن کی نبی کریم ﷺ نے رب کریم کی نگرانی میں تربیت کی ہے، ان کا قرآن وسنت کے ساتھ تعامل میں مخصوص مزاج، خاص منہج، لگے بندھے اصول وضوابط، عقائد اور افکار اور طرز عمل تھا۔ یہ تو شمس النہار کی طرح ایک تاریخی حقیقت ہے، جسے ہر سلیم الفطرت تسلیم کرتا ہے۔ بس اسی تاریخی حقیقت کو ہم فہم سلف کہتے ہیں اور قرآن وسنت کی تشریح میں بعد کے لوگوں کی تعبیرات پر اسے مقدم سمجھتے ہیں۔

اگرچہ تطبیق کے میدان میں پھر اس کی درجہ بندی اور الگ تفصیلات ہیں۔

پانچواں اشکال: اجماع کی اصطلاح کی بجائے فہم سلف کی اختراع کیوں؟

بعض لوگوں کے ذہن میں یہ اشکال ہے کہ فہم سلف سے جب اجتماعی فہم ہی بنیادی طور پر مراد ہے تو اس کے لیے اجماع کی اصطلاح استعمال کیوں نہیں کرتے؟ ایک نئی اصطلاح گھڑنے کی کیا ضرورت ہے؟

پہلی بات تو یہ ہے کہ فہم سلف بعد کے لوگوں کی اختراع اور ایجاد نہیں، قرآن مجید نے جسے سبیل المومنین کہا ہے، حدیث میں جسے "ما انا علي واصحابي" کہا گیا ہے، اسی کا دوسرا نام فہم سلف ہے۔ اور یہ خود ان صحابہ وتابعین سے شروع ہونے والا تصور ہے، بعد کے سلفیوں کی ایجاد نہیں، ہاں اس کا مقدمہ سلفیوں نے لڑا ہے اور اسے نکھارنے کی کوشش کی ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ فہم سلف اور اجماع میں بعض اشتراکات یقیناً موجود ہیں بلکہ اجماع کی حجیت پر تمام دلائل، فہم سلف کی حجیت پر بالاولیٰ دلیل ہیں۔ لیکن ان دونوں اصطلاحات میں چند اہم فروق بھی ہیں، جن کی بنا پر اجماع کے لفظ سے وہ مفہوم ادا نہیں ہوتا جو فہم سلف سے ادا ہوتا ہے۔ ان میں سے چند بنیادی فروق یہ ہیں:

① اجماع بالعموم فقہی اجتہادی مسائل کے لیے استعمال ہونے والی اصطلاح ہے۔ جبکہ فہم سلف میں توسع ہے اور یہ پورے دین پر محیط ہے۔ ایمان وعقائد، اخلاق وآداب اور فقہیات سب اس میں شامل ہیں۔

② اجماع بالعموم غیر منصوص مسائل میں مجتہدین کا اجتہاد ہوتا ہے۔ جبکہ فہم سلف میں بنیادی طور پر نصوص کی تشریح وتعبیر اور ان سے تعامل کا منہج پیش نظر ہوتا ہے۔

چھٹا اشکال: فہم سلف کی پابندی اور تقلید آباء کا شوشہ

بعض لوگ فہم سلف پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ یہ تو تقلید آباء ہی کا دوسرا نام ہے۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ فہم سلف تقلید آباء اور ذہنی آوارگی کے درمیان راہ اعتدال کا دوسرا نام ہے۔ اتباع قرآن وسنت کا صحیح منہج اور درست طرز عمل ہے۔ گمراہی سے حفاظت کی ضمانت ہے۔

تقلید آباء بغیر دلیل کے ہوتی ہے۔ جبکہ فہم سلف کی تو بنیاد ہی دلیل کو صحیح انداز میں سمجھنے پر ہے۔

ساتواں اشکال: فہم سلف سے تدبر کی راہیں محدود ہوتی ہیں

بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ فہم سلف کی پابندی کرنے سے قرآن وسنت میں غور وفکر اور استنباط واجتہاد کی راہیں محدود ہوتی ہیں۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ فہم سلف کی پابندی سے درست تدبر کی راہیں آسان ہوتی ہیں، معیاری تہاد واستنباط کا میزان قائم ہوتا ہے، در حقیقت تدبر کی راہ نہیں بلکہ فکری آوارگی کی راہیں بند ہوتی ہیں۔

ایک اہم تنبیہ اور غالی نقطہ نظر سے براءت

بعض لوگوں نے فہم سلف کی اہمیت واضح کرنے کے لیے جو اس طرح کا انداز اپنایا ہے کہ ہزار آیات بھی فہم سلف کے خلاف ہوں تو تسلیم نہیں، یا قرآن وسنت پر نظر نہیں کریں گے، سلف کے قدموں میں اپنی عقل

رکھ دیں گے، وہ کہیں پورے پاؤں نہیں، بس صرف ناخن ہی وضو میں دھونے ہیں تو صرف ناخن دھونے پر اکتفا کریں گے، یہ مبالغہ زبانی دعووں کے سوا کچھ نہیں، یہ جوش خطابت میں ہوش کھونے والے الفاظ ہیں۔ بہر حال ایسے غلو پر مبنی اقوال سراسر غلط ہیں، نصوص قرآن وسنت کے تقدس کے بھی شایان شان نہیں۔ بلکہ اس طرح کی باتیں خود منہج سلف کے بھی خلاف ہیں۔ آئندہ ان سے اجتناب اور سابق سے رجوع ضروری ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں حقیقی فہم دین اور شرعی بصیرت واخلاص کی نعمت سے مالا مال فرمائے۔ آمین

متحدہ پنجاب کے جن اہل حدیث خاندانوں نے تدریس وتبلیغ اور مناظرات ومباحث میں شہرت پائی ان میں روپڑی خاندان سرفہرست ہے۔ روپڑی خاندان میں علم وفضل کے اعتبار سے سب سے برگزیدہ شخصیت حافظ عبد اللہ محدث روپڑی رحمہ اللہ (۱۸۸۷ء۔ ۱۹۶۴) کی تھی، جو ایک عظیم محدث، مجتہد، مفتی اور محقق تھے۔ ان کے فتاویٰ آج بھی علماء اور عوام دونوں کے لیے یکساں مفید اور رہنمائی کا بہترین ذریعہ ہیں۔ عوام ہی نہیں، علماء بھی ان کی اجتہادی صلاحیتوں کے معترف ہیں۔ محدث روپڑی کی متنوع خدمات میں مختلف علمی وتحقیقی موضوعات پر مشتمل ان کی دسیوں تالیفات بھی ہیں۔ اصول تفسیر کے موضوع پر "درایت تفسیری" محدث روپڑی رحمہ اللہ کی ایک اہم اور بے مثال تالیف ہے۔ جسے محدث روپڑی اکیڈمی نے طبع اول (۱۳۴۳ھ) کے بعد پہلی دفعہ کمپیوٹر کمپوزنگ اور مفسر قرآن حافظ عبد الوہاب روپڑی حفظہ اللہ کی تخریج وتشکیل کے ساتھ شائع کیا ہے۔

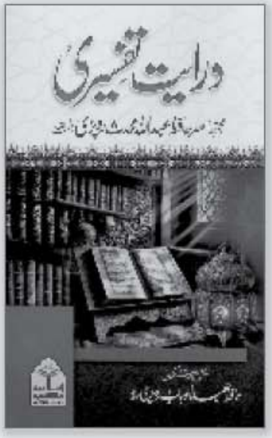

خصوصیات

1- صحابہ کرام کی درایت تفسیری اور درایت اجتہادی میں فرق اور فہم سلف کی حجیت پر تفصیلی اور تجزیاتی بحث
2- تفسیر صحابہ کی حجیت کے دس لغوی دلائل
3- اجماع امت کی حجیت اور تقلید ائمہ سے اس کا فرق
4- تفسیر قرآن میں لغت کا مقام ومرتبہ اور اس کی حدود
5- منہج تفسیر کے موضوع پر اہل حدیث کی مرکزی کتاب
6- درس نظامی کے لیے اصول تفسیر کی بے مثال کتاب
7- روپڑی اور ثنائی تنازع کی مکمل تفصیل وتصفیہ

برائے رابطہ: مکتبہ اسلامیہ، بالمقابل رحمان مارکیٹ غزنی سٹریٹ اردو بازار، لاہور: ۰۳۰۰۹۹۹۹۳۹۱۵-۹۲+

شیخ ابن عربی کا تصورِ ختمِ نبوت

ڈاکٹر حافظ محمد زبیر

شیخ ابن عربی کے تصور توحید یا وحدت الوجود پر تو بہت کام ہوا ہے لیکن ان کے تصور ختم نبوت پر کوئی کام موجود نہیں ہے۔ غامدی صاحب کے کچھ فالوورز نے سوشل میڈیا پر ایک بحث شروع کی تھی کہ غلام احمد قادیانی کا تصور نبوت دراصل شیخ ابن عربی اور اس جیسے متصوفین سے مستفاد ہے۔ لہذا جب ابن منصور الحلاج، بایزید بسطامی، شیخ ابن عربی اور دیگر متصوفین کی کفریہ عبارتوں کی تاویلات کر کے یا انہیں شطحیات قرار دے کر انہیں دائرہ اسلام سے خارج نہیں کیا جاتا تو یہی مار جن غلام احمد قادیانی وں کو کیوں نہیں دیا جاتا!

کیا غلام احمد قادیانی اور شیخ ابن عربی کے تصور ختم نبوت میں کچھ مشترک بنیادیں موجود ہیں؟ اور کیا غلام احمد قادیانی نے واقعی میں اپنا تصور ختم نبوت شیخ ابن عربی اور دیگر متصوفین سے اخذ کیا ہے؟ اور کیا شیخ ابن عربی بھی محض تشریعی نبوت کے خاتمے کے قائل تھے؟ اور کیا شیخ ابن عربی مطلق نبوت کے جاری رہنے کے قائل تھے؟ یہ سب سوالات ایسے ہیں جو جواب طلب ہیں اور اس پر ہماری کتاب "مقالات عقیدہ و منہج" میں ایک مستقل باب کے تحت مفصل بحث کی گئی ہے۔ یہ کتاب فی الحال شائع نہیں ہوئی ہے البتہ اس کی پی ڈی ایف درج ذیل لنک سے حاصل کی جاسکتی ہے۔[1]

شیخ ابن عربی کو ایک نئے تصورِ ختم نبوت کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی؟

شیخ ابن عربی ایک خاص قسم کے تصور وجود (ontology) کے قائل تھے کہ جسے ہم نظریہ وحدت الوجود کے نام سے جانتے ہیں کہ جس کی کوئی دلیل شرع میں تو کجا عقل میں بھی موجود نہ تھی لہذا انہیں اس تصور وجود کے اثبات کے لیے ایک تصور علم (epistemology) کی ضرورت محسوس ہوئی تو انہوں نے اسلام میں تصور توحید کے ساتھ تصور نبوت کو بھی ایڈٹ کیا۔ انہوں نے اپنے نظریہ وحدت الوجود کے اثبات کے لیے ایک پورا نظام استدلال وضع کرنے کی کوشش کی ہے کہ جسے ہم ان کا تصور ختم نبوت کہہ سکتے ہیں۔

---

1 https://drhafizmuhammadzubair.com/books/

خالق اور مخلوق کے باہمی تعلق کے بارے جب آپ کتاب وسنت کے بیان پر مطمئن نہیں ہوں گے اور ربط الحادث بالقدیم کے قدیم فلسفیانہ تصورات کو مذہبی رنگ میں پیش کرنے کی کوشش کریں گے تاکہ فلسفے اور مذہب میں تطبیق پیدا کر سکیں یا کثرت مجاہدہ سے نفس میں نبوت کی لالچ اور طمع محسوس کرنا شروع کر دیں گے تو آپ کو وحی کا دروازہ کھلا رکھنے کی ضرورت محسوس ہوگی۔

فارابی، ابن سینا اور اخوان الصفا وغیرہ کا مسئلہ پہلا تھا کہ وہ فلسفی پہلے تھے اور صوفی بعد میں۔ لیکن ابن عربی کا مسئلہ دوسرا ہے کہ وہ صوفی پہلے ہیں اور فلسفی بعد میں۔ لہذا ان کی عبارتوں میں غور وفکر سے معلوم پڑتا ہے کہ ان کے تصور علم کے ساتھ ان کے تصور وجود کی ضرورت بھی ان کے ہاں عقلی سے زیادہ نفسی ہے۔ انہوں نے جو تصورِ وجود پیش کیا ہے، اس سے بھی نفس انسانی کی ایک عجب تسکین ہوتی ہے کہ یہ خیال (fantasy) ہی انسان کو سرشار کر دیتا ہے کہ وہ الوہی (divine) صفات کا حامل ہے۔ جب الوہیت کا حصہ بن کر بھی نفس کے سپر مین بننے کی خواہش پوری نہ ہوئی تو اس نفس امارہ نے ولایت کو نبوت سے افضل قرار دے کر اور معرفت رب میں نبیوں کو اپنا محتاج اور فقیر بنا کر اپنی گھٹیا اور رذیل خواہش کو پورا کرنے کی کوشش کی۔ بہر حال یہ کثرت مجاہدہ کی آزمائش ہے جبکہ وہ سنت کے مطابق نہ ہو کہ انسان آسمان سے نزول کی امیدیں لگا بیٹھتا ہے۔

یہ بات درست ہے کہ وحدت الوجود کی مختلف تعبیریں ہمیں ملتی ہیں، جن میں سے بعض کفر وشرک ہیں، بعض بدعت ہیں، اور بعض توحید ہی کا ایک پہلو ہیں۔ لیکن وحدت الوجود کی اسٹینڈرڈ تعبیر وہی ہے جو ابن عربی نے پیش کی ہے اور وہ صریح کفر وشرک ہے۔ اڑھائی سو فقہاء نے اس تعبیر پر نقد کیا، بہتوں نے کفر وشرک کہا۔ جنہوں نے کفر وشرک نہیں بھی کہا، انہوں نے بھی پرلے درجے کی ضلالت اور گمراہی قرار دیا۔ چالیس کے قریب حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی فقہاء اور بعض صوفیاء کی بھی مستقل کتابیں موجود ہیں کہ جن میں اس نظریے کو کفر اور شرک قرار دیا گیا ہے۔ حنفی فقہاء اور صوفیاء کی معتدبہ تعداد نے ابن عربی کو کافر تک قرار دیا ہے۔ ہم اگر اپنا مطالعہ بڑھائیں تو معلوم ہوگا کہ وحدت الوجود کی مخالفت اہل حدیثوں کا نہیں امت کا مسئلہ ہے، فقہائے اربعہ اور ان کے متبعین کا مسئلہ ہے، محقق صوفیاء کا مسئلہ ہے، محدثین اور ائمہ دین کا مسئلہ ہے۔

برصغیر میں شیخ مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی شد ومد سے مخالفت کی اور اپنے مکاتیب میں اسے "ہمہ اوست "یعنی ہر چیز خدا ہے، کا نظریہ قرار دیا۔ اور کہا کہ شیخ اکبر نچلے درجات میں رہ گئے تھے، اگر انہیں اوپر جانا نصیب ہوتا تو اسے معلوم ہوتا کہ اصل حقیقت وحدت الوجود نہیں بلکہ وحدت الشہود ہے۔ رہا وحدت الشہود تو وہ ہماری نظر میں نہ تو کفر ہے اور نہ ہی شرک البتہ بدعی نظریہ ہے کیونکہ کتاب وسنت، صحابہ وتابعین، ائمہ

اربعہ اور فقہاء ومحدثین کا نظریہ، نظریہ تخلیق ہے اور یہ اس کے خلاف ہے۔ ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ کا نظریہ وحدت الوجود نہ تو ابن عربی والا مکمل نظریہ وحدت الوجود ہے اور نہ ہی شیخ مجدد کا مکمل وحدت الشہود بلکہ یہ ڈاکٹر صاحب کی اپنی ہی فلسفیانہ تخلیق ہے۔ ہماری نظر میں یہ نظریہ بھی بدعت ہے کیونکہ یہ کتاب وسنت کے نظریہ تخلیق کی بدعی شرح ہے اور اگر یہ عقیدہ بنالیا جائے تو بالآخر کفر وشرک تک پہنچا سکتا ہے لیکن ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اسے بطور عقیدہ کبھی بھی بیان نہیں کیا بلکہ وہ یہی کہا کرتے تھے کہ اس موضوع پر ان کا مقصود تصوف کے بعض محترم قائلین کا دفاع ہے جیسا کہ شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اور شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ۔

رہا وحدت الوجود کے بارے متاخرین صوفیاء کی ایک بڑی جماعت کا یہ موقف کہ یہ ایک حال ہے کہ جس میں انسان کو خدا کی طرف اتنی کامل یکسوئی حاصل ہو جاتی ہے کہ ہر چیز اس کے لیے مثل معدوم ہو جاتی ہے تو یہ توحید کے احوال میں سے ایک حال ہے جیسا کہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی موقف ہے۔ لیکن اس حال کو کسی علمی نظریے کی صورت بیان کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ حال ایک حال ہی ہے اور حال سے نکل کر اسے بیان کرنا ایک حال کا بیان تو ہو سکتا ہے، کسی عقیدے کا نہیں۔ جب سالک اس حال سے نکل آتا ہے تو ہی اس کو بیان کرنے کے قابل ہوتا ہے اور جب بیان کر رہا ہوتا ہے تو اس وقت اس حال میں نہیں ہوتا لہذا اس کا روحانی تجربہ اس کے لیے اس کے ماضی کی ایک خبر بن جاتا ہے، اسے ہم عقیدہ نہیں بنا سکتے کیونکہ یہ نبی کی خبر نہیں ہے کہ جس پر ایمان لانا واجب ہو یا جس کی تبلیغ ضروری ہو۔

مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے شیخ ابن عربی کی معروف کتاب "فصوص الحکم" کی شرح لکھنی شروع کی تھی لیکن انقباض قلب کی وجہ سے لکھ نہ پائے کہ ایسی تکلیف ہوتی تھی کہ عمر بھر یاد رہی۔ وجہ یہی تھی کہ صریح کفریہ اور شرکیہ عبارات کی شرح ممکن نہ تھی کہ خدا کو کیا جواب دیں گے! پھر ابن عربی کے دفاع میں ایک تحریر لکھ دی۔ تو اہل حال بھی شخصیت کا دفاع کرتے ہیں، کفریہ اور شرکیہ عبارات کا نہیں۔ یہ اہم نکتہ ہے، خاص طور ان لوگوں کے لیے جو کفر صریح کی تاویل کر کے اسے توحید کامل بنانے پر مصر ہیں۔

ایمانی کیفیت تو وہ ہے کہ جس کی کتاب وسنت سے کوئی صریح دلیل موجود ہو۔ صوفیاء کی اکثر کیفیات پر کتاب وسنت سے صریح دلیل موجود نہیں ہے۔ تو جو کیفیات خود ثبوت کی محتاج ہیں، وہ کیونکر دلیل بن سکتی ہیں! اب اس تاویل سے بڑھ کر کیا کفر ہو گا کہ اللہ عزوجل نے فرعون یعنی نفس لعین کو اس کے کمال ایمان کی جزا کے طور وحدت الوجود کے سمندر میں غرق کر دیا۔ اس تاویل کے بعد داد طلب نظروں سے ہم سے پوچھتے ہیں کہ اب سمجھ آئی کہ شیخ ابن عربی کیوں فرعون کے کمال ایمان کے قائل تھے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون

ابن عربی اس بات کے قائل تھے کہ نبوت ختم نہیں ہوئی بلکہ یہ قیامت تک جاری رہے گی۔ وہ لکھتے ہیں:

فالنبوة سارية إلى يوم القيامة في الخلق وان كان التشريع قد انقطع فالتشريع جزء من أجزاء النبوة فانه يستحيل ان ينقطع خبر الله وأخباره من العالم إذ لو انقطع لم يبق للعالم غذاء يتغذى به في بقاء وجوده[1].

"نبوت مخلوق میں قیامت تک جاری رہے گی البتہ نبوت تشریعی ختم ہو گئی لیکن تشریعی نبوت کل نبوت نہیں ہے بلکہ نبوت کا ایک حصہ ہے۔ پس یہ ناممکن ہے کہ اللہ کی طرف سے خبر اور عالم کی اخبار یعنی وحی کا سلسلہ منقطع ہو جائے۔ اگر یہ سلسلہ رک جائے تو اس عالم کے لیے اپنے وجود کو باقی رکھنے کی غذا کا سلسلہ منقطع ہو جائے گا۔"

شیخ ابن عربی ایک اور مقام پر لکھتے ہیں:

قال صَلَّى اللهُ عَلَيهِ وسَلَّم إن الرسالة والنبوة قد انقطعت وما انقطعت إلا من وجه خاص انقطع منها مسمى النبي والرسول ولذلك قال فلا رسول بعدي ولا نبي ... فالنبوة والرسالة من حيث عينها وحكمها ما نسخت وإنما انقطع الوحي الخاص بالرسول والنبي من نزول الملك على أذنه وقلبه وتحجير لفظ اسم النبي والرسول[2].

"نبی ﷺ کا یہ فرمان کہ نبوت اور رسالت منقطع ہو چکی ہے تو اس کا ایک خاص معنی ہے کہ رسول اور نبی کا اسم منقطع ہو چکا ہے۔ اسی لیے آپ ﷺ نے فرمایا کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے اس کے برعکس نبوت کا عین اور اس کا حکم منسوخ نہیں ہوا بلکہ رسول اور نبی کے کان اور دل پر فرشتے کے واسطے سے وحی کا نزول منسوخ ہوا ہے یا پھر نبی اور رسول کے لفظ کے استعمال سے روکا گیا ہے۔"

یہ صرف ہمارا گمان غالب نہیں کہ غلام احمد قادیانی نے ابن عربی سے استفادہ کیا ہے، بلکہ آپ غلام احمد قادیانی کی کتابوں میں ابن عربی کی کتابوں بالخصوص فصوص الحکم اور فتوحات مکیہ کے حوالے اور دیگر متصوفین کے اقوال اور ان کے حوالے بھی کثرت سے دیکھ سکتے ہیں۔ ایک جگہ غلام احمد قادیانی اپنے تصور نبوت کے بارے لکھتے واضح طور پر کہتے ہیں کہ کیسے ان کا تصور ختم نبوت اکابر صوفیاء کی دی گئی تعلیمات پر قائم ہے:

---

۱ الفتوحات المكية، الباب الثالث والسبعون، ۳/ ۱۳۵

۲ الفتوحات المكية: ۳/ ۳۸۰-۳۸۱

"آج تک جس قدر اکابر متصوفین گذرے ہیں، ان میں سے ایک کو بھی اس میں اختلاف نہیں کہ اس دین متین میں مثیل الانبیاء بننے کی راہ کھلی ہوئی ہے جیسا کہ آنحضرت صلعم روحانی اور ربانی علماء کے لیے یہ خوشخبری فرما گئے ہیں کہ علماء أمتي كأنبياء بني إسرائيل۔ اور حضرت بایزید بسطامی قدس سرہ کے کلمات طیبہ مندرجہ ذیل جو تذکرہ الاولیاء میں حضرت فرید الدین عطار صاحب نے بھی لکھے ہیں اور دوسری معتبر کتابوں میں بھی پائے جاتے ہیں، اسی بناء پر ہیں، جیسا کہ وہ فرماتے ہیں کہ میں ہی آدم ہو، میں ہی شیث ہوں، میں ہی نوح ہوں، میں ہی ابراہیم ہوں، میں ہی موسی ہوں، میں ہی عیسی ہوں، میں ہی محمد ہوں ﷺ وعلی اخوانہ اجمعین۔ اور اگرچہ انہیں کلمات کی وجہ سے حضرت بایزید بسطامی ستر مرتبہ کافر ٹھہرا کر بُسطام سے جو ان کے رہنے کی جگہ تھی، شہر بدر کیے گئے۔ اور میاں عبد الرحمن خلف مولوی محمد کی طرح ان لوگوں نے بھی بایزید بسطامی کے کافر اور ملحد بنانے میں سخت غلو کیا لیکن اس زمانے کے گزرنے کے بعد پھر ایسے معتقد ہو گئے کہ جس کا حد انتہا نہیں اور ان کے شطحیات کی بھی تاویلیں کرنے لگے[1]۔"

اب سوال یہ ہے کہ غلام احمد قادیانی اپنے تصور ختم نبوت کے لیے فقہاء کا نام کیوں نہیں لیتے، ان کی عبارتوں سے استدلال کیوں نہیں کرتے، ظاہری بات ہے کہ فقہاء نے انہیں یہ موقع ہی نہیں دیا، البتہ صوفیاء نے دے دیا۔ ایک اور مقام پر غلام احمد قادیانی نے اپنے تصور ختم نبوت پر شیخ ابن عربی کے اس اقتباس سے استدلال کیا ہے کہ شیخ ابن عربی نے لکھا ہے کہ انہوں نے امام ابن حزم رحمہ اللہ کے بارے خواب دیکھا ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے ایسے معانقہ کیا ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے وجود میں گم ہو گئے ہیں اور دونوں ایک ہو گئے[2]۔ ابن عربی نے اس خواب کا تذکرہ اپنی کتاب فتوحات مکیہ میں کیا ہے۔[3]

---

١ روحانی خزائن: ٣/ ٢٣٠-٢٣١

٢ روحانی خزائن: ٣/ ٢٣٢

٣ رأيت النبي صلى الله عليه وسلم في المنام وقد عانق أبا محمد ابن حزم المحدث فغاب الواحد في الآخر فلم نر إلا واحداً وهو رسول الله صلى الله عليه وسلم فهذه غاية الوصلة وهو المعبر عنه بالاتحاد أي الإثنين عين للواحد ما في الوجود أمر زائد كما أن زيداً هو عين عمر [الفتوحات المكية، الباب الثالث والعشرون، ٤/ ٢٢٢]

البتہ بعض اہل علم یہ کہتے ہیں کہ یہ شیخ ابن عربی کی اپنی عبارات نہیں ہیں یعنی ان کی کتابوں میں ایڈیشن ہوئی ہے۔مثال کے طور علامہ علاؤالدین الحصکفی الحنفی متوفی ۱۰۸۸ھ رحمۃ اللہ علیہ سے فصوص الحکم کی کفریہ عبارات کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا:

نعم فيه كلمات تباين الشريعة، وتكلف بعض المتصلفين لارجاعها إلى الشرع، لكنا تيقنا أن بعض اليهود افتراها على الشيخ قدس الله سره فيجب الاحتياط بترك مطالعة تلك الكلمات، وقد صدر أمر سلطاني بالنهي فيجب الاجتناب من كل وجه. انتهى، فليحفظ[1].

جی! فصوص الحکم میں ایسی باتیں ہیں جو شریعت کے منافی ہیں۔ بعض متکلفین نے ان باتوں کو شریعت سے ثابت کرنے کے لیے تکلف سے کام لیا ہے، جبکہ ہمارا یقین ہے کہ یہودیوں نے حضرت شیخ قدس اللہ سرہ پر جھوٹ گھڑا ہے [یعنی ان کی کتابوں میں یہ باتیں داخل کر دی ہیں]۔ لہٰذا ان عبارتوں کے مطالعہ کو ترک کر دینا ہی ضروری ہے۔ اور ایک امر سلطانی بھی صادر ہوا تھا کہ جس میں یہ تھا کہ ان کی کتابوں کے مطالعے سے ہر پہلو سے اجتناب کیا جائے۔ اس بات کو اچھی طرح ذہن نشین کر لیں۔"

ہم بھی یہ کہتے ہیں کہ علامہ علاؤالدین الحصکفی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ جمع ایک اچھی تاویل ہے کہ جس پر فریقین کا اتفاق ہو سکتا ہے۔ جن فقہاء نے کہا ہے کہ شیخ ابن عربی کی تحریروں میں اضافہ اور تحریف ہوئی ہے تو اگرچہ ہماری تحقیق کے مطابق امر واقعہ میں ایسا نہیں ہوا ہے لیکن ہم پھر بھی کہتے ہیں کہ شخصیت کو مطعون کرنا کوئی دینی مقصد نہیں ہے۔ دینی مقصد تو صرف عقائد اور فکر کی اصلاح ہے۔ اگر یہ مقصد اس طرح سے پورا ہو جائے کہ فریقین اس بات پر متفق ہو جائیں کہ شیخ ابن عربی کی کفریہ عبارتیں شیخ کی اپنی نہیں ہیں، وہ کسی یہودی سازشی عنصر نے ان کی کتابوں میں ڈال دی ہیں، لہٰذا آئندہ سے وہ پبلش نہیں ہوں گی، ان کی شروحات نہیں لکھی جائیں گی، ان کی تدریس نہیں ہو گی، ان کی تاویل نہیں ہو گی، انہیں اُن کی طرف منسوب نہیں کیا جائے گا تو ہماری رائے میں پھر شیخ ابن عربی کو مطعون کرنے کی کوئی ضرورت نہیں رہ جاتی۔

---

1 علاء الدين الحصكفي، محمد بن علي، الدر المختار شرح تنوير الأبصار وجامع البحار، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولى، ١٤٢٣هـ - ٢٠٠٢م، ص ٣٤٧

خلاصہ کلام یہ ہے کہ دو باتیں ہیں؛ ایک اعتبار سے غلام احمد قادیانی کا کیس شیخ ابن عربی سے ملتا ہے اور دوسرے اعتبار سے نہیں ملتا ہے۔ جس اعتبار سے دونوں کا نظریہ ملتا ہے، وہ یہ ہے کہ شیخ ابن عربی کے ہاں بھی تشریعی نبوت ختم ہو چکی ہے جبکہ غیر تشریعی نبوت باقی ہے جیسا کہ ان کا کہنا ہے:

اعلم أن النبوة البشرية على قسمين قسم من الله إلى عبده من غير روح ملكي بين الله وبين عبده بل إخبارات إلهية يجدها في نفسه من الغيب أو في تجليات لا يتعلق بذلك الإخبار حكم تحليل ولا تحريم بل تعريف إلهي ومزيد علم بالاله[1].

"جان لو کہ بشری نبوت دو قسم پر ہے؛ ایک وہ ہے کہ جس میں حق سبحانہ وتعالیٰ اور بندے کے مابین کوئی فرشتہ موجود نہیں ہے بلکہ یہ حق سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے کچھ اخبار [الہامات] ہیں کہ جنہیں وہ غیب سے اپنے نفس میں محسوس کرتا ہے یا پھر وہ تجلیات ہیں [جو کشف کا سبب بنتی ہیں]۔ ان الہامات کا تعلق تحلیل و تحریم یعنی شرعی احکام سے نہیں ہے بلکہ ان کا تعلق معرفت الٰہی سے ہے یا حق سبحانہ وتعالیٰ کے بارے مزید علم سے ہے یا ان الہامات کا تعلق اس سے ہے۔"

اور جس اعتبار سے دونوں کا کیس نہیں ملتا ہے، وہ یہ ہے کہ شیخ ابن عربی کی عبارتوں کی تاویل کا امکان ہے یا جہاں تاویل کا امکان نہیں، وہاں تدسیس کا امکان ظاہر کیا گیا ہے یعنی شیخ ابن عربی کے پیروکار ان کی ان باتوں کی یا تو تاویل کر لیتے ہیں جیسا کہ نبوت سے ان کی مراد الہام ہے یا جہاں تاویل ممکن نہ ہو تو انکار کر دیتے ہیں، یا پھر اسے ان کی کتابوں میں الحاق شمار کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کو نبی اور رسول ماننے کے حوالے سے کوئی تحریک کھڑی نہیں ہوئی اور نہ ہی کوئی طبقہ موجود ہے۔

دوسری طرف غلام احمد قادیانی کی عبارتیں بڑی صریح اور واضح ہیں، قادیانی کے ماننے والے ان کی باتوں کی تاویل نہیں کرتے، ان میں الحاق کے قائل نہیں ہیں، غلام احمد قادیانی نے اپنی زندگی میں ہی ایک جماعت پیدا کر لی تھی جو ان کو مجدد، مسیح اور نبی مانتی تھی اور وہ اس پر راضی تھا اور تا حال اس جماعت کا اصرار اور عقیدہ یہی ہے۔ اس لحاظ سے دونوں کیسز میں فرق ہے۔ ایک کیس میں آپ عدم تکفیر کی گنجائش نکال سکتے ہیں، دوسرے میں نہیں لہٰذا پہلے میں بیان کفر کی ذمہ داری پوری کی جائے اور دوسرے میں تکفیر کا فریضہ۔ واللہ اعلم بالصواب

---

1 الفتوحات المكية: ۳/ ۳۸۳

کفار کی مصنوعات کا بائیکاٹ

محمد رفیق طاہر

ضروریاتِ زندگی پوری کرنے کا سب سے بڑا ذریعہ تجارت ہے۔ تجارت کا معنی چیزوں کا تبادلہ کرنا ہے۔ یعنی ہر انسان اپنی ضرورت کی چیز دوسرے سے وصول کرتا اور بدلے میں دوسرے کی مطلوبہ چیز اسے دیتا ہے۔ تجارت میں دونوں طرف فائدہ اٹھانے کی نیت ہوتی ہے، لہٰذا جب ایک فریق کو کسی چیز کے لینے یا دینے میں کسی قسم کا نقصان ہو رہا ہو تو وہ اس چیز کے لینے یا دینے سے انکار کر دیتا ہے۔ انفرادی سطح پر تو ہم کاروبار میں روز اس کا مشاہدہ کرتے ہیں، لیکن یہی انکار جب قومی یا اجتماعی سطح پر ہو تو اسے بائیکاٹ کہتے ہیں۔

تاریخ انسانی میں اس کی بے شمار مثالیں ہیں، تقریباً ہر قوم نے اپنے دشمنوں کے خلاف معاشی و اقتصادی بائیکاٹ کو جنگی ہتھیار کے طور پہ استعمال کیا اور اس کے ذریعے اپنے مفادات کا تحفظ کیا۔

سیدنا یوسف علیہ السلام نے معاشی بائیکاٹ کو اپنی بات منوانے کے لیے بطور ہتھیار استعمال کیا۔ اناج لینے آئے ہوئے اپنے بھائیوں کو رخصت کیا تو فرمایا تھا:

﴿ائْتُونِي بِأَخٍ لَّكُم مِّنْ أَبِيكُمْ ۚ أَلَا تَرَوْنَ أَنِّي أُوفِي الْكَيْلَ وَأَنَا خَيْرُ الْمُنزِلِينَ ۝ فَإِن لَّمْ تَأْتُونِي بِهِ فَلَا كَيْلَ لَكُمْ عِندِي وَلَا تَقْرَبُونِ ۝﴾ [یوسف: ۵۹، ۶۰]

”میرے پاس اپنے پدری بھائی کو بھی لانا، کیا تم دیکھتے نہیں کہ میں پورا ماپ دیتا ہوں اور بہترین مہمان نواز ہوں، اگر تم اسے نہ لائے تو تمہارے لیے کوئی ماپ (اناج) میرے پاس نہیں ہو گا، اور تم میرے قریب بھی مت آنا۔“

معاشی بائیکاٹ کا سلسلہ قبل از اسلام عربوں میں بھی موجود تھا۔ یمن کے گورنر ابرہہ نے یمن میں جو معبد بنایا تھا اس کا مقصد عربوں کی تجارت کا رخ حجاز سے یمن کی طرف کرنا تھا۔

قریش اور کنانہ نے بنی ہاشم اور بنی عبد المطلب کا بائیکاٹ کیا تھا، اس حوالے سے وثیقہ لکھ کر بیت اللہ میں رکھا گیا تھا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

أَنَّ قُرَيْشًا وَكِنَانَةَ، تَحَالَفَتْ عَلَى بَنِي هَاشِمٍ وَبَنِي عَبْدِ الْمُطَّلِبِ: أَنْ لاَ يُنَاكِحُوهُمْ وَلاَ

يُبَايِعُوهُمْ، حَتَّى يُسْلِمُوا إِلَيْهِمُ النَّبِيَّ (صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ)[1].

"بلاشبہ قریش اور کنانہ نے قسم اٹھائی کہ وہ بنوہاشم اور بنو عبد المطلب سے نہ رشتہ داری کریں گے اور نہ ان سے تجارت کریں جب تک وہ نبی ﷺ کو ان کے سپرد نہیں کر دیتے۔"

قدیم طریقۂ جنگ یہ تھا کہ دشمن کے قلعوں کا محاصرہ کر لیا جاتا اور ان کے وسائل زندگی بند کر دیئے جاتے تھے یہاں تک کہ محصورین ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہو جاتے۔ اسی طرح فوجیں اپنے اوپر حملہ کرنے والوں کی سپلائی لائن کاٹنے پر خصوصی توجہ دیتی ہیں۔ دنیا میں سینکڑوں جنگیں اسی اصول سے جیتی گئی ہیں۔

بعد میں جب ملکوں کی معاش و اقتصاد حکومتوں کے زیر انتظام آ گئیں، تو دنیا کی تمام حکومتیں اپنے اپنے ملک کے مفادات کے پیش نظر بائیکاٹ کو بطور پالیسی اختیار کرتی رہی ہیں بلکہ آج بھی اس پر گامزن ہیں، مثلاً جب ملک میں کوئی چیز ضرورت کے مطابق یا کم رہ جاتی ہے تو اس کی ایکسپورٹ پر پابندی لگا دی جاتی ہے، جیسے ہمارے ہاں حکومت کبھی گندم یا چینی وغیرہ کی ایکسپورٹ بند کر دیتی ہے۔ اسی طرح جس چیز کی پیداوار اپنے ملک میں وافر ہوتی ہے تو حکومت اس کی درآمد پر پابندی لگا دیتی ہے یا اس پر بھاری ٹیکس لگا دیا جاتا ہے تاکہ اپنی قوم کے مفاد کا تحفظ ہو سکے جیسے حکومت بڑی گاڑیوں پر بھاری ٹیکس لگا دیتی ہے۔ کبھی حکومتیں پیسے بچانے کے لیے غیر ضروری چیزوں کی درآمد بند کر دیتی ہے۔ بعض اوقات حکومتیں دوسرے ملکوں کی معیشت کو کمزور کرنے کے لیے ان سے درآمد کرنے پر پابندی یا بھاری ٹیکس لگا دیتی ہے، جیسے امریکا اور یورپی ممالک چائنہ سے درآمد پر پابندیاں لگاتے رہتے ہیں، یا بھاری ٹیکس لگاتے یا قوانین وضع کرتے ہیں کہ چائنیز کمپنیز سے خرید و فروخت تقریباً ناممکن ہو جاتی ہے۔ امریکا نے ایران پر ۱۹۷۹ء سے معاشی پابندیاں لگا رکھی ہیں اور اس کا مقصد ایران کی ترقی کو روکنا ہے۔ یعنی معاشی بائیکاٹ کا ہتھیار دنیا کے تمام ممالک اپنے مخالفین کے خلاف استعمال کرتے ہیں۔

صدیوں سے مستعمل اس ہتھیار کو مسلمانوں نے بھی اپنے دشمنوں کے خلاف استعمال کیا۔ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کی اور اہل مدینہ نے انہیں ہر طرح کی مدد فراہم کی۔ انہی دنوں حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ عمرے کی نیت سے مکہ میں تشریف لے گئے۔ بیت اللہ کا طواف کر رہے تھے کہ ابو جہل کی نظر پڑ گئی، تو اس نے کہا: تو کعبہ کا طواف امن و امان سے کر رہا ہے، جبکہ تم لوگوں نے محمد اور اس کے ساتھیوں (یعنی ہمارے مخالفین) کو جگہ دی ہے؟ ابو جہل نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو

---

1. صحیح بخاری: ۱۵۹۰

روکنا چاہا تو حضرت سعدؓ نے کہا:

وَاللهِ لَئِنْ مَنَعْتَنِي أَنْ أَطُوفَ بِالْبَيْتِ لَأَقْطَعَنَّ مَتْجَرَكَ بِالشَّامِ[1].

"اللہ کی قسم! اگر تو نے مجھے بیت اللہ کا طواف کرنے سے منع کیا تو میں شام کے ساتھ تمھاری تجارت (کا راستہ) بند کر دوں گا۔"

ثمامہ بن اثال رضی اللہ عنہ مسلمان ہوئے اور مکہ عمرہ کرنے کی غرض سے گئے تو اہل مکہ کو مخاطب کر کے فرمایا:

وَاللهِ لَا يَأْتِيكُمْ مِنَ الْيَمَامَةِ حَبَّةُ حِنْطَةٍ حَتَّى يَأْذَنَ فِيهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ[2].

"اللہ کی قسم یمامہ سے تمھارے پاس گندم کا ایک دانہ بھی نہیں آئے گا جب تک نبی کریم ﷺ اس کی اجازت نہ دے دیں۔"

رسول اللہ ﷺ نے مدینہ میں یہودی قبیلے بنو نضیر کا محاصرہ کیا تو ان کے قلعوں کے گرد کھجوروں کے باغات تھے جو ان کی معاش کا ذریعہ تھے، آپ نے انہیں کاٹنے اور جلانے کا حکم دیا جس سے ان کے حوصلے پست ہو گئے اور انہوں نے ہتھیار ڈال دیے اس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ اَوْ تَرَكْتُمُوْهَا قَآئِمَةً عَلٰٓى اُصُوْلِهَا فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيُخْزِيَ الْفٰسِقِيْنَ ۝﴾ [الحشر: ٥]

"تم نے کھجوروں کے جو درخت کاٹ ڈالے یا جنھیں تم نے ان کی جڑوں پر باقی رہنے دیا۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کے فرمان سے تھا اور اس لیے بھی کہ فاسقوں کو اللہ تعالیٰ رسوا کرے"

اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے غزوہ طائف میں اہل طائف کے قلعے کا پندرہ دنوں تک محاصرہ کیے رکھا، پھر یہ سوچ کر کہ محاصرہ ختم کر دیا کہ اہل طائف کے پاس اسلام قبول کیے بنا کوئی چارہ نہیں ہے اس لیے وہ ضرور اسلام قبول کر لیں گے اور ایسا ہی ہوا۔

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کفار سے سختی کا معاملہ کرنے کا حکم دیا، فرمایا:

﴿يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ﴾ [التوبة: ٧٣]

"اے نبی! ﷺ کفار اور منافقین سے جہاد کیجئے اور ان پہ سختی کیجئے۔"

آج جب کہ جنگوں کے طریقہ کار بدل گئے ہیں، جنگیں منڈیوں میں لڑنے کا تصور آ گیا ہے، اور معاشی

---

١ صحیح بخاری: ٣٦٣٢

٢ صحیح بخاری: ٤٣٧٢

بائیکاٹ باقاعدہ ایک ہتھیار کی صورت اختیار کر گیا ہے، جس کے ذریعے اپنے مفادات کا تحفظ کیا جاسکتا ہے۔

امام احمد سے ایسے شخص کے متعلق پوچھا گیا جو دشمن سے کوئی چیز خرید تا ہے؟ تو انہوں نے فرمایا:

لا يُباع ممن يتقوّى على المسلمين[1].

"ان لوگوں سے خرید فروخت نہ کی جائے جو مسلمانوں کے خلاف دشمن کو مضبوط اور طاقت ور بنائیں!۔"

جب کافر ممالک کا یہ معاشی بائیکاٹ کفار کے خلاف مسلمانوں کی مدد کی خاطر ہو، یعنی اس کے ذریعے کفار کی معیشت کو کمزور کرنا اور ان کے حوصلوں کو پست کرنا مقصود ہو تو یہ جہاد فی سبیل اللہ میں داخل ہے۔

جنگی حربے وقت، حالات اور موقع محل کے مطابق بدلتے رہتے ہیں اور ان کے اثرات بھی تبدیل ہوتے رہتے ہیں، اسی طرح معاشی بائیکاٹ کبھی مفید اور کبھی نقصان دہ ہوتا ہے۔ شریعت کے مقاصد میں سے ایک اہم ترین مقصد مسلمانوں کے لیے فوائد کا حصول اور انہیں نقصانات سے بچانا ہے۔ لہٰذا کفار کا معاشی بائیکاٹ مسلمانوں کے مصالح کے تابع ہے اور شرعی اعتبار سے بائیکاٹ کا حکم مختلف حالات میں مختلف ہوتا ہے۔

تجارت ضرورتیں پوری کرنے اور حصول نفع کا ایک وسیلہ اور ذریعہ ہے۔ یہ وسائل کبھی حصولِ مصلحت کا سبب اور کبھی فساد کا پیش خیمہ ہوتے ہیں۔ اس اعتبار سے وسائل کو چار اقسام میں تقسیم کیا جاتا ہے:

① جو وسیلہ سراسر فساد کا سبب ہو، جیسے شراب نوشی، یہ نشے کا وسیلہ ہے، شرع نے اسے حرام قرار دیا ہے۔

② جو وسیلہ بذات خود تو حلال ہو، لیکن اسے حرام یا فساد کا ذریعہ بنالیا جائے، جیسا کہ نکاح شرعاً حلال ہے، لیکن اگر حلالے کی نیت سے کیا جائے تو لعنت کا سبب ہے۔ سو اسے بھی شریعت نے حرام قرار دیا ہے۔

③ جو وسیلہ بذاتہ حلال و جائز ہے، لیکن عموماً اس کا نتیجہ غلط نکلتا ہے، یعنی اس کا نقصان اس کے فائدے کی نسبت زیادہ ہے۔ جیسا کہ کفار کے سامنے ان کے معبودوں کو برا کہنا۔ شرع نے اسے بھی ناجائز و حرام قرار دیا ہے۔ قرآن مجید نے اس اصول کو بڑی وضاحت سے بیان کیا ہے، فرمایا:

﴿ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا﴾ [البقرة: ٢١٩]

"وہ آپ سے شراب اور جوئے کے متعلق پوچھ رہے ہیں، تو کہیے! ان میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے لیے نفع بھی ہے لیکن ان کا گناہ ان کے نفع سے بڑا ہے (لہٰذا یہ حرام ہے)۔"

---

1 مسائل ابن ہانی: ۱۶۱۴

④ جو وسیلہ بذاتہ حلال وجائز ہے، لیکن کبھی کبھار اس کا نتیجہ فساد کی صورت میں بھی نکلتا ہے۔ یعنی اس کا فائدہ اس کے نقصان کی نسبت زیادہ ہے۔ جیسا کہ سلطان جابر کے سامنے کلمہ حق کہنا۔ یہ قسم مصلحت کے اعتبار سے کبھی محض جائز ومباح ہوتی ہے، کبھی مستحب اور کبھی فرض۔

حافظ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ نے دوسری اور تیسری قسم کی حرمت ۹۹ وجوہ سے واضح فرمائی ہے[1]۔

مسلمانوں کے معاملے میں کفار ومشرکین کی بھی چار اقسام ہیں:

① حربی کافر: یعنی وہ کفار جو ایسے دار الکفر میں رہتے ہیں جن کے اور مسلمانوں کے درمیان کوئی معاہدہ نہیں ہے۔ ان کے ممالک کو دار الحرب کہا جاتا ہے۔

معاہد کافر: یعنی وہ کفار جو ایسے دار الکفر میں رہتے ہیں جن کے اور مسلمانوں کے درمیان عہد ومیثاق ہے۔ ان کے ممالک کو دار العہد کہا جاتا ہے۔ خیال رہے کہ عصر حاضر میں معاہد کفار ممالک بھی دو طرح کے ہیں ایک غیر جانبدار اور دوسرے جانبدار۔

③ مستامن کافر: یعنی وہ کفار جو دار الکفر کے ہی رہنے والے ہیں، لیکن وقتی طور پر امان (ویزہ) حاصل کر کے مسلمان ملک میں آئے ہیں۔

④ ذمی کافر: یہ وہ کفار ہیں جو مسلمانوں کے ملک میں رہائش اختیار کیے ہوئے ہیں، اور مسلمانوں کی طرف سے مقرر کردہ جزیہ (ٹیکس) ادا کرتے اور اسلامی ملک کے قوانین کی پاسداری کرتے ہیں۔

ان تمام کفار کے ساتھ مالی معاملات بھی چار اقسام کے ہی ہوتے ہیں:

① کفار وغیرہ سے ایسی تجارت جس کے نتیجے میں حرام کا ارتکاب ہو۔ یہ شرعاً باطل ہے۔ ایسا تجارتی معاہدہ مذکور وسائل اربعہ میں سے پہلی قسم کے تحت آتا ہے۔

② محارب یا معاہد کفار کے ساتھ ایسے اقتصادی معاملات کرنا جو کہ اصلاً مباح ہیں، لیکن ان میں مقصود کافر ممالک کو معاشی ترقی دینا اور ان کی اقتصادیات کو مضبوط کرنا ہو۔ ایسے عقد شرعاً حرام وناجائز ہی ٹھہریں گے، کیونکہ اس میں کفار سے موالاۃ اور ان سے ذلت کو ختم کرنے جیسے شرعی جرائم پائے جاتے ہیں۔ ایسا تجارتی معاہدہ مذکور وسائل اربعہ میں سے دوسری قسم کے تحت آتا ہے۔

③ محارب یا معاہد کفار سے ایسے معاملات طے کرنا جو بذاتہ حلال ہوں اور ان سے مقصود بھی جائز ہو، مثلاً

---

1 اعلام الموقعین: ۴/ ۵

ذاتی طور پہ نفع کمانا وغیرہ۔ لیکن کفار کو ان معاشی معاہدوں سے ایسا فائدہ حاصل ہو کہ جس سے وہ مسلمانوں کو نقصان پہنچائیں۔ خواہ یہ نقصان مسلمانوں کے قتل کرنے کی صورت میں ہو یا انہیں علاقہ بدر کرنے، یا ان کے عقائد و نظریات بگاڑنے، یا ان کی معیشت غیر مستحکم کرنے کی شکل میں ہو، الغرض کوئی بھی صورت ہو جس میں مسلمانوں کو کفار کی جانب سے نقصان پہنچتا ہو، اور یہ نقصان ان سے حاصل ہونے والے فائدے کی نسبت زیادہ ہو، تو ایسے عہد و پیمان شریعت کی نگاہ میں حرام و ناجائز ہی ٹھہرتے ہیں۔ بالخصوص جب کفار سے منگوایا جانے والا سامان ایسا ہو کہ اسکا نعم البدل مسلمانوں کے پاس موجود ہو، یا بے ضرر کفار سے دستیاب ہو سکتا ہو۔ یہ عقد وسائل اربعہ میں سے تیسری قسم کے تحت آتا ہے۔

④ معاہد کفار سے ایسا عقد طے کرنا جو بذاتہ حلال ہو اور اس سے جائز مقاصد کا حصول مطلوب ہو۔ تو اس کے مباح و جائز ہونے میں کوئی شک نہیں ہے، ایسا عقد مستحب اور کبھی واجب بن جاتا ہے۔ یہ عقد وسائل اربعہ میں سے چوتھی قسم کے تحت آتا ہے۔

الغرض پہلی قسم کے معاہدات تجارت کی حرمت تو بالکل واضح ہے، جبکہ دوسری اور تیسری قسم کے عقد بھی وسائل ممنوعہ ہونے کے سبب ناجائز ہیں سو ان تین صورتوں میں تو کفار سے بائیکاٹ بنیادی طور پر واجب ہے! کیونکہ کسی بھی کام سے ممانعت اس کے الٹ کام کو واجب کر دیتی ہے جب اس کی ضد بالاتفاق ایک ہو۔

ان بنیادی باتوں کو سمجھنے کے بعد کفار کی مصنوعات کا بائیکاٹ کرنے کا حکم سمجھنا نہایت آسان ہو جاتا ہے۔

کفار سے تجارت کرنا، ان کی مصنوعات استعمال کرنا اصلاً مباح ہے۔ مباح کے حوالے سے یہ اصول ذہن میں رہنا چاہیے کہ جب کوئی کام کرنا مباح ہو تو اس کا نہ کرنا بھی مباح ہوتا ہے یعنی دونوں اطراف برابر ہوتے ہیں۔ لہٰذا مباح کا حکم مصالح و مفاسد کے پیش بدلتا رہتا ہے۔ یعنی بائیکاٹ کا حکم بعض حالات میں حرام، کبھی واجب یا کسی حالت میں مندوب و مستحب ہو جاتا ہے۔

اس لیے معاشی بائیکاٹ کا ہتھیار دو ہی صورتوں میں استعمال کیا جا سکتا ہے:

(۱) مصالح و فوائد حاصل ہوں۔ (۲) مفاسد و نقصانات کا خاتمہ ہو۔

سو یہ دیکھنا چاہیے کیا دونوں مقاصد حاصل ہو رہے ہیں، یا دونوں ہی حاصل نہیں ہو رہے، یا دونوں میں سے کوئی ایک حاصل ہو رہا ہے؟۔ اس طرح غور کرنے سے بائیکاٹ کی چار صورتیں بنیں گی:

① دونوں مقاصد حاصل ہوں۔ یعنی بائیکاٹ کرنے سے کفار کو نقصان پہنچے اور اس کے نتیجے میں مسلمانوں کو

کوئی بڑا نقصان بھی نہ ہو۔اور کفار کی طرف سے مسلمانوں کو پہنچنے والا ضرر کم یا ختم ہو جائے۔تو ایسی صورت میں بائیکاٹ واجب ہے!

② دونوں مقاصد ہی حاصل نہ ہوں۔یعنی بائیکاٹ کے نتیجے میں کفار کو کوئی نقصان نہ ہو، بلکہ الٹا مسلمانوں کو نقصان پہنچے مثلاً کفار مسلمانوں پہ ظلم بڑھادیں، جنگ مسلط کر دیں، یا مسلمانوں کی معیشت کمزور کر کے رکھ دیں۔ تو ایسی صورت میں بائیکاٹ کرنا حرام ہے!

③ دونوں مقاصد میں سے پہلا مقصد (جلب مصالح) حاصل ہو، اور دوسرا مقصد (خاتمہ مفاسد) حاصل نہ ہو۔یعنی بائیکاٹ کے نتیجے میں کفار کو نقصان پہنچے، لیکن ساتھ مسلمانوں کو بھی کوئی بڑا نقصان پہنچے۔ گویا فائدے کے ساتھ ساتھ ایسا مفسدہ بھی پیدا ہو جائے جسے ختم کرنا مقاصد شریعت میں شامل ہے۔ تو ایسی صورت میں پیدا ہونے والا فساد اگر حصول مصلحت (فائدے) سے کم تر ہو، تو مقاطعہ کرنا مباح ہے۔ لیکن نقصان اس کے فائدے سے زیادہ ہے تو بائیکاٹ جائز نہ ہو گا۔ اگر فائدہ اور نقصان دونوں برابر ہوں تب بھی بائیکاٹ ناجائز ہو گا، کیونکہ شریعت کی نظر میں مفاسد کو دور کرنا حصول مصالح پہ مقدم ہے۔

④ پہلا مقصد (جلب مصالح) حاصل نہ ہو، البتہ دوسرا مقصد (خاتمہ مفاسد) پورا ہو جائے۔یعنی بائیکاٹ سے کفار کا کوئی خاص نقصان نہ ہو اور نہ ہی مسلمانوں کو کسی نقصان کا سامنا کرنا پڑے، تو ایسی صورت میں بائیکاٹ کرنا مستحب و مندوب ہے۔ کیونکہ یہ بھی کفار کے خلاف احتجاج اور غیظ و غضب کا اظہار ہے۔

نتیجۂ بحث

معاشی بائیکاٹ اپنے مطالبے منوانے اور مخالف کو زیر کرنے کا بہترین ہتھیار ہے۔شروع سے انسان انفرادی واجتماعی طور پر اپنے مخالفین کو زیر کرنے کے لیے اس ہتھیار کو استعمال کرتا آیا ہے، مسلمانوں نے بھی دوسری اقوام کی طرح اسے بطور ہتھیار استعمال کیا ہے۔اس کا حکم مسلمانوں کی مصالح کے تابع ہے، کبھی واجب، کبھی حرام اور کبھی مستحب ہو جاتا ہے۔ کفار کا معاشی بائیکاٹ رضائے الٰہی کی خاطر ہو تو یہ جہاد فی سبیل اللہ کی ایک صورت ہے۔البتہ بائیکاٹ اس وقت نتیجہ خیز ثابت ہوتا ہے جب حکومتی سطح پہ اس کا اہتمام کیا جائے۔اگر حکومت اس کا اہتمام نہ کرے تو قوم کو مل کر اپنے تئیں ایسی کوششیں ضرور کرنی چاہئیں کیونکہ ہر انسان اپنی استطاعت کے مطابق مکلف بنایا گیا ہے۔

جامع تراث العلامة الالبانی فی المنہج

محمد زکریا رفیق

علامہ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ (۱۹۱۴–۱۹۹۹) یورپ کے ملک البانیہ میں پیدا ہوئے، لگ بھگ سات سال کی عمر میں والدین کے ساتھ ہجرت کی اور دمشق شام آبسے۔ دینی تعلیم والد گرامی سے حاصل کی جو مضبوط شرعی عالم تھے اور حنفی مسلک سے تعلق رکھتے تھے۔ بعض دیگر اہل علم سے بھی تلمذ اختیار کیا۔ ۱۹۳۴ کے آس پاس دمشق کے مکتبہ ظاہریہ میں تحقیق و تالیف سے مستقل وابستہ ہو گئے اور سلفی مسلک اختیار کر لیا۔ دمشق میں کئی دہائیوں تک تحقیق و تالیف اور دعوت کا کام کرتے رہے۔ ۱۹۶۷ کے بعد بعض حکومتی مسائل کی وجہ سے انھوں نے شام سے ہجرت کر لی۔ ان کی زندگی کا آخری بڑا حصہ عمان اردن میں گزرا اور ۱۹۹۹ء میں وہیں وفات پائی۔ بیماری کے باوجود وفات سے دو ماہ قبل تک تصنیف و تالیف کا شغل قائم رہا۔ وہ ۱۰۰ سے زائد کتب کے مصنف ہیں، جو معروف و مشہور ہیں۔ ۱۹۹۹ء میں انھیں شاہ فیصل ایوارڈ بھی دیا گیا۔ انھوں نے کئی عرب اور یورپی ممالک کا دورہ بھی کیا اور محاضرات بھی پیش کیے۔ تین سال تک جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں تدریس بھی کی۔

جامع تراث العلامة الالبانی فی المنہج و الاحداث الکبری ۱۲ جلدوں پر مشتمل ایک ضخیم موسوعہ ہے جو پہلی دفعہ ۲۰۱۱ء میں یمن کے ایک تحقیقی ادارے مرکز النعمان صنعاء سے شائع ہوا۔ اس مجموعہ کو دکتور شادی بن محمد آل نعمان نے تیار کیا جو مرکز النعمان کے مدیر بھی ہیں۔ وہ عقیدہ اور فقہ پر بھی ناصر الدین الالبانی کے دو بڑے موسوعات تیار کر چکے ہیں۔ یہ تینوں مجموعے صید الفوائد ویب سائیٹ پر دستیاب ہیں۔ دکتور شادی کی ایک ذاتی تالیف ''انتصار الدرر السنية'' نہایت قابل قدر ہے، جو غالی اہل تکفیر کے خلاف نہایت علمی تالیف ہے۔

علامہ البانی کا منہجی موسوعہ زیادہ تر ان کی آڈیو کیسٹوں سے مرتب کیا گیا، یہ کیسٹیں باقاعدہ البانی رحمہ اللہ کی

زندگی میں سوالاً جواباً ریکارڈ کی جاتیں، ان کا حوالہ دیا جاتا اور انہیں محفوظ کیا جاتا تھا۔ شیخ البانی کی تصانیف و تالیفات کا بڑا حصہ عرب دنیا اور برصغیر میں مشہور و معروف ہے۔ لیکن ان کی زندگی کا یہ پہلو عام دنیا سے اوجھل ہے کہ وہ موجودہ تحریکی مناہج کے بہت بڑے رہنما بھی تھے۔ عرب دنیا کے ارکانِ ثلاثہ یعنی شیخ بن باز، شیخ العثیمین اور شیخ البانی رحمہم اللہ میں سے مقدم الذکر دونوں بزرگ علمی، تحقیقی اور تدریسی میدان کے شہ سوار تھے، ان کی زندگی تعلیم و تحقیق میں ہی گزری۔ البتہ شیخ البانی کی عملی ودعوتی زندگی خاص طور پر امت کے بڑے تحریکی مسائل پر غوروفکر میں گزری۔ اس لیے ان کے منہجی رسائل اور تحریکوں پر ناقدانہ تحریریں زیر تبصرہ مجموعہ کی شکل میں سب سے زیادہ ہیں۔

زیر بحث مجموعہ میں بیان کردہ منہج شیخ البانی کا ذاتی وضع کردہ نہیں بلکہ قرآن وسنت اور سلف صالحین کا مقرر کردہ منہج ہے جس کی پیروی انہوں نے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے مطابق کی:

﴿وَأَنَّ هَٰذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ﴾ [الأنعام: ١٥٣]

اس مجموعہ کی تشکیل کے لیے سب سے پہلے صوتی مواد کو تحریری شکل میں لایا گیا، پھر تحقیق، تصحیح اور تنقیح کے بعد، ابواب و فصول اور مجلدات کی شکل میں مرتب کیا گیا۔ اب اس سے استفادہ کرنا پہلے کی نسبت بہت آسان ہو گیا ہے۔

اہل علم جانتے ہیں کہ شیخ البانی کے سوالات کے جوابات نہایت آسان اور دلچسپ ہیں۔ وہ کئی مقامات پر اپنے موقف کے متعلق کہتے ہیں کہ ہم یہ بات کئی بار کہہ چکے ہیں، ہم نے ہمیشہ یہ بات کی، ہم پچھلے چالیس سال سے یہ کہہ رہے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا مختلف مسائل پر غوروفکر سرسری نہ تھا، بلکہ طویل محنت اور سوچ وبچار کا نتیجہ تھا۔

اس مجموعہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ شیخ البانی کا سائل کوئی بہت پڑھا لکھا انسان تھا کیونکہ وہ بعض اوقات شیخ سے ادب واحترام کے ساتھ اختلاف کرتا ہے، دلیل مانگتا ہے، جرح کرتا ہے اور اعتراض کرتا ہے اور شیخ البانی اسے محبت سے مطمئن کرتے ہیں، دلائل دیتے ہیں اور بعض اوقات سائل سے عصری ایشوز کی تفصیل بھی مانگتے ہیں۔ اس سے اس منہجی موسوعہ کی ثقاہت بڑھ جاتی ہے۔ اس کے علاوہ شیخ محترم کے مناظرہ کرنے کا انداز، موضوع پر گرفت اور اپنے موقف پر استقامت کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔

مجموعہ شریعت کے سب سے مشکل مسائل یعنی منہجی مسائل پر ہے۔ یہ مسائل حل نہ ہوں تو بڑی بڑی

تحریکیں راہ راست سے کم یا زیادہ منحرف ہو جاتی ہیں، دہائیوں کی محنتیں ضائع ہوتی ہیں، جماعتوں اور دعاۃ کی زندگیاں کھپ جاتی ہیں، لیکن کوئی حوصلہ افزا مثبت نتائج سامنے نہیں آتے۔ بعض لوگ حکام کے خلاف شدت، تکفیر اور خروج اختیار کر لیتے ہیں۔ بعض لوگ سلف صالحین کا مضبوط علمی طریقہ چھوڑ کر محض دین کے چند مسائل کی دعوت و تبلیغ کے لیے نکل جاتے ہیں اور ساری زندگی اسی کام میں گزار دیتے ہیں۔ ایسے مسائل سے لاعلمی کے سبب بعض دعاۃ نے کفار اور حقیقی مبتدعین کو چھوڑ کر چھوٹے اور جزوی منحرفین کے خلاف تشدد و تبدیع کا بازار گرم کیا۔ مجموعہ منہج کا ایک بڑا حصہ خود سلفیوں کے اندر کے تشدد و غلو کے رد میں ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ البانی نے حزبیت، تعصب، باہم سب و شتم اور غالی تجریح کے خلاف بڑی محنت کی۔

تحریکوں کے مناہج پر فکری و علمی کتابیں کم نہیں لیکن ان کی خالص علمی زبان بعض اوقات عملی زندگی کی گتھیاں سلجھانے میں وہ مدد نہیں دیتی جو زیر تبصرہ مجموعہ مدد دیتا ہے۔ شیخ الالبانی آسان اور دل نشین زبان میں بات کو واضح کرتے ہیں کہ بڑی آسانی کے ساتھ بڑی اور مشکل گتھیاں سلجھ جاتی ہیں۔ علمی اصولوں کو مائیکرو لیول پر منطبق کرنا اور اسے سمجھانا، شیخ البانی کا خاص کارنامہ ہے۔ وللہ الحمد

مجموعہ کے تمام منہجی مسائل شیخ کی زندگی کے آخر تک ان کے ہاں مسلم رہے، انھوں نے کسی مسئلہ سے رجوع نہ کیا، البتہ جہاد افغانستان، قضیہ الجزائر اور خلیج کی جنگ دوم جیسے واقعاتی امور پر ان کی بعض آراء میں رجوع ممکن ہو سکتا ہے۔

زیر نظر مجموعہ کا پہلا مقدمہ شیخ ابو الحسن مصطفی السلیمانی نے تحریر کیا، وہ مارب یمن کے رہنے والے مشہور عالم ہیں، سلفیت کے مؤثر داعی اور خاص طور پر غالی تبدیع کے خلاف بڑی محنت کر چکے ہیں، ان کی کئی قیمتی کتب ان کی ویب سائٹ پر موجود ہیں۔

دوسرا مقدمہ شیخ علی حسن حلبی نے لکھا، جو عمان اردن کے رہنے والے ہیں۔ یہ بھی شیخ البانی کے مشہور شاگرد ہیں۔

موضوعات کے اعتبار سے جلدوں کی تقسیم

شیخ کی دعوتی زندگی چار قسم کے گروہوں کی اصلاح میں گزری: اخوانی، خارجی، غالی تبدیعی، تبلیغی

شیخ البانی رحمہ اللہ کے مخاطبین میں پہلے نمبر پر اخوانی ہیں جو تعلیم و تربیت کا طریقہ چھوڑ کر سیاست کی وادیوں میں گم ہو جاتے ہیں۔ شیخ البانی ان کے مقابلے میں تصفیہ و تربیہ کی پر زور تاکید کرتے ہیں۔ مجموعہ منہجی کی بارہ

میں سے چار جلدیں اسی موضوع پر ہیں۔ دو جلدیں تصفیہ وتربیہ پر اور دو جلدیں سیاسی اخوانی مسائل پر۔

شیخ البانی کا آخری ہجرت سے قبل اخوانیوں کے ساتھ میل جول بھی رہا ہے، وہ ان کے پاس آمد ورفت بھی کرتے اور ان کے رسائل میں علمی مضامین بھی لکھ کر بھیجتے، انھوں نے کئی کبار اخوانی رہنماؤں کی کتابوں کی تخریج بھی کی ہے جو مشہور ومعروف ہیں۔

ایک بڑی جلد تکفیریوں اور خارجیوں کے خلاف ہے۔

ایک جلد غالی تبدیعی گروہ کے خلاف ہے۔ شیخ کی زندگی ہی میں سلفیوں کے اندر وہ گروہ پیدا ہو گیا جو خود سلفیوں کے بعض انحرافات پر انہیں اہل سنت سے خارج کرتا اور اہل بدعت میں داخل کرتا تھا۔

شیخ البانی کے مزاج اور موقف میں وسعت اور اعتدال ہے۔ وہ اشاعرہ کو بھی اہل سنت سے خارج نہیں کرتے، بلکہ انہیں اجتہادی خطا کا عذر دیتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ اشاعرہ بہت سارے مسائل میں اہل سنت کے ساتھ موافق ہیں اور چند ایک مسائل میں الگ ہیں۔ وہ اہل بدعت سے تعامل کے متعلق بھی معتدل رویہ رکھتے ہیں، مثلاً وہ ایسے بدعتی کو سلام کرنا روا سمجھتے ہیں جو بالتعیین کافر نہ ہو۔ عام طور پر وہ کسی بھی بڑے گروہ کو اجمالی طور پر کافر قرار نہیں دیتے۔ وہ معین مسلمان کو کافر یا بدعتی قرار دینے سے پہلے حجت قائم کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔ وہ ایسے مخالفین کو بھی "رحمہ اللہ" کہنا درست سمجھتے ہیں جو کافر نہ ہوں، اگرچہ بدعتی ہوں۔

مجموعہ منہج کی ایک آدھی جلد تبلیغی جماعت کی اصلاح پر ہے۔

شیخ البانی کے مجموعہ کی چار جلدیں عالم اسلام کے مختلف علاقوں کے جہاد اور اقلیات کے مسائل پر ہیں۔

ایک جلد فرقوں اور جدید رجحانات پر ہے۔ اس میں اشاعرہ، روافض اور صوفیہ بطور خاص لائق مطالعہ ہیں۔

کسی نے منہج کا معتدل، آسان اور وسیع ترین مطالعہ کرنا ہو تو وہ اس مجموعہ کو ضرور پڑھے۔ تحریکی مزاج لوگوں اور دعاۃ کے لیے اس مجموعہ سے استغناء ممکن نہیں۔ بلکہ میں یہ کہوں گا کہ منہج پر اس سے زیادہ تفصیلی لٹریچر عام طور پر نظر نہیں آتا۔

مجموعہ شیخ البانی کے اہم مسائل

شیخ البانی رحمہ اللہ کے مسائل وسیع مطالعہ، گہرے غور وفکر اور طویل ممارست کا نتیجہ ہیں۔ مثلاً وہ کہتے ہیں کہ اقامتِ خلافت فرض ہے لیکن اس کا طریقہ تصفیہ وتربیہ یعنی صحیح فہم اسلام پر مبنی گہری علمی وعملی معاشرتی

اصلاح اور تربیت ہے جو شرعی علماء کے ہاتھوں ہو، معاشرے کا بڑا طبقہ توحید و سنت کا حامل ہو، مروجہ جمہوری سیاست سے اور تصفیہ وتربیہ کے بغیر کبھی بھی خلافت قائم نہ ہو گی۔ وہ سیاست کو بدعت نہیں کہتے لیکن وقت سے پہلے سیاست کو غیر مناسب قرار دیتے ہیں۔ ان کی تاکید ہے کہ جیسے مکی دور نبوی میں سیاست سے پرہیز کیا گیا اور دعوت وتربیت کا کام جم کر کیا گیا، ویسے ہی اب کرنا چاہیے، تاآنکہ ہم سیاست کے اہل ہو جائیں اور اللہ کی نصرت اتر آئے۔

شیخ البانی حکمرانوں کو کفر بواح اور اقامت حجت کے بغیر کافر نہیں کہتے۔ وہ موجودہ دور کے مسلم حکمرانوں کو کافر نہیں کہتے اور نہ ہی شرعی خلیفہ سمجھتے ہیں، جن کی بیعت کے بغیر انسان جاہلیت کی موت مرے۔ شرعی حاکم کے علاوہ کسی کے لیے بیعت درست قرار نہیں دیتے، نیز وہ خروج کے لیے استطاعت کی شرط لگاتے ہیں اور استطاعت کے لیے معاشروں کا تصفیہ وتربیہ ضروری سمجھتے ہیں۔

شیخ البانی موجودہ دور میں اہل بدعت کے خلاف ہجر اور عدم تعلق کے طریقے کو غیر مناسب سمجھتے ہیں اور حکمت کے ساتھ دعوت کو زیادہ مفید خیال کرتے ہیں اخوانی رہنماؤں کے بارے میں ان کا موقف نہایت واضح اور دوٹوک ہے کہ وہ مسلمان ہیں اور انہیں کلمہ ترحم سے پکارا جاسکتا ہے۔

شیخ البانی توحید حاکمیت کی اہمیت کو سمجھتے ہیں لیکن اس کی عملی تطبیق واقامت کے لیے تصفیہ وتربیہ کا لائحہ عمل تجویز کرتے ہیں نہ کہ جمہوری سیاست کا طریقہ کار۔

شیخ محترم نے اپنے دور میں مختلف مقامات پر جہاد کی فرضیت کا بھی فتویٰ دیا، جیسے جہاد افغانستان، وغیرہ۔ وہ ان جہادوں کو مسلمانوں کے دفاع کے لیے فرض عین قرار دیتے ہیں اور ایسے جہاد میں شرکت کے لیے تصفیہ و تربیہ کو لازم نہیں سمجھتے البتہ اقدامی جہاد کو صرف خلیفہ یا اس کے مقرر کردہ شرعی امیر کے تحت درست مانتے ہیں اور اس کے لیے نصب خلافت ضروری سمجھتے ہیں جس کا راستہ معاشرے کی اصلاح یعنی تصفیہ وتربیہ ہے۔ وہ غالی تحریکوں کے خودکش حملوں کو مسلمانوں کی دعوت اور ان کی قوت واستحکام کے لیے نہایت مہلک قرار دیتے ہیں اور ان سے بچنے کی بار بار تلقین کرتے رہتے ہیں۔

ہر عالم کی طرح شیخ البانی سے بھی غلطی کا صدور ممکن ہے، البتہ وہ اپنے بیانات میں شرعی دلائل اور قوی استدلال پیش کرتے ہیں جس سے دین کے طالب علم اور داعی کو نہایت طاقت ور دلی اطمینان نصیب ہوتا ہے،

اکثر مسائل میں وہ کبار سلفی علماء کے ساتھ کھڑے ہیں۔ چند اکا دکا مسائل میں وہ دیگر علماء سے الگ بھی ہو سکتے ہیں، لیکن ان کی تعداد نہایت قلیل ہے اور وہ بھی دلیل، ترجیح اور اجتہاد کی بنیاد پر ہے، نہ کہ غلو و تشدد یا تساہل و تقصیر کی بنیاد پر۔

اردو میں منہج تلقی پر کچھ کتب مل جاتی ہیں، لیکن منہج تغییر پر کتابیں بالکل نادر اور نایاب ہیں۔ ایسی صورت حال میں الالبانی کا زیر تبصرہ مجموعہ اہل علم کے لیے ایک بہار کا پیغام ہے، جو شروع سے آخر تک منہج تغییر پر ہے۔ جو اپنی علمی پیاس بجھانا چاہتے ہیں، ان کے لیے اس میں وافر مطلوب و مقصود ہے۔ شیخ البانی منہج تلقی کے تحت قرآن وسنت کے ساتھ ساتھ فہم سلف کی مستقل تاکید کرتے ہیں۔ منہج تغییر کے تحت بتاتے ہیں کہ مسلمانوں کے احوال کیسے بدلیں گے اور مسلمان کب اور کیسے پستی سے نکل سکیں گے۔

شیخ البانی کے منہجی مواقف ان کے بعض رسائل میں بھی مشہور و معروف ہیں جیسے التوحید اولا، فتنہ تکفیر، التصفیہ والتربیۃ اور فقہ الواقع وغیرہ کے عناوین والے رسائل۔

شیخ البانی کی دعوتی زندگی

شیخ البانی کی دعوتی تحریک، ان کی علمی و تحقیقی کتابی دنیا سے بالکل الگ تھلگ ہے جو عام طور پر برصغیر کے لوگوں کے لیے پوشیدہ ہی رہی۔ وہ دن بھر مکتبہ ظاہریہ دمشق میں علمی و تحقیقی اور تصنیفی و تالیفی کام کرتے لیکن ہفتہ میں دو دن علمی کتابی درس کا مستقل اہتمام کرتے جس میں طلبہ کے علاوہ اساتذہ بھی شریک ہوتے۔ عوامی دعوت کے لیے ہفتہ میں دو دن مختلف علاقوں کا وزٹ کرتے۔ مہینے میں چند دن یا ایک ہفتہ مستقل پابندی کے ساتھ دور دراز علاقوں کی دعوت کے لیے مقرر کیا ہوا تھا۔ ان کی محنتوں کے نتائج ان کی زندگی میں ہی نمایاں ہونے لگے۔ وہ خود کہتے ہیں کہ ہم نے شام، اردن اور دیگر کئی علاقوں سے غالی تکفیر کے نظریات کا موثر سدباب کر دیا لیکن مصر میں ابھی بھی اس کے اثرات موجود ہیں جو ختم نہیں ہو رہے۔ شیخ البانی نے کئی عرب ممالک حتی کہ یورپی ممالک میں بھی علمی محاضرات دیے، جو مطبوع شکل میں مل جاتے ہیں۔ وہ تحریکی موضوعات پر انفرادی سوال و جواب کی نشست، مناظرہ اور مباحثہ بھی کرتے تھے اور علمی مناقشوں کے ذریعے فریق مخالف کا دماغ اور دل جیت لیتے تھے۔ اس کی کئی مثالیں ان کے منہجی موسوعے میں مل جاتی ہیں۔

شیخ البانی رحمہ اللہ کو اپنی دعوت کے نتیجے میں کئی مسائل کا سامنا بھی کرنا پڑا، ان کے مخالفین میں سب سے

زیادہ "سقاف" مشہور ہے جو البانی صاحب کے بقول امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی بھی تکفیر کرتا ہے۔ وہ توسل انبیاء و اولیاء کا قائل ہے۔ شیخ البانی کو توحید و سنت پھیلانے، دعوتی حلقہ قائم کرنے اور شرک و بدعت کے خلاف محاربہ کی وجہ سے کئی دفعہ سرکاری مسائل کا بھی سامنا کرنا پڑا، حتی کہ ہجرت بھی کرنی پڑی اور دو دفعہ جیل بھی جانا پڑا۔ بعض مخالف سلفی علماء شیخ البانی پر ارجاء کی طرف میلان کا الزام بھی لگاتے ہیں، لیکن ہمارے مطالعہ میں ایسی کوئی چیز نہیں گزری جو واقعتاً اس الزام کو سچ قرار دے، کبار علماء نے بھی اس کی تردید کی ہے۔ البتہ عوامی سوال و جواب کا طریقہ کار چونکہ خالص علمی کتابی اسلوب میں نہیں ہوتا، اس لیے بعض اوقات تسلی و تشفی میں کمی رہ جاتی ہے۔ جس سے مختلف اشکال لاحق ہو سکتے ہیں۔ تحقیق اور تخریج کی دنیا میں بھی ان کے بعض سلفی اور حنفی ناقدین موجود ہیں لیکن بے شمار سلفی اور غیر سلفی علماء نے ان کی بے پناہ تحسین و توثیق بھی کی ہے۔

شیخ البانی کا بلند اخلاق

شیخ البانی رحمہ اللہ اپنے سلفی بھائیوں کو حکمت، رفق، اخلاق حسنہ، وعظ و نصیحت، علمی ذوق اور باہمی محبت و تعلق کی بار بار نصیحت کرتے ہیں اور حزبیت، نفرت، تشدد، تساہل، مداہنت اور عجلت و جذباتیت سے دور رہنے کی بار بار تلقین کرتے ہیں۔

شیخ البانی منکسر المزاج انسان تھے، بعض سخت گیر علماء سائلین کے بار بار سوالات پر درشت رویہ اختیار کرتے ہیں۔ اس عظیم الشان مجموعہ میں کوئی ایک مقام بھی ایسا نہیں جہاں شیخ البانی ناراض، غصہ یا رنجیدہ ہوئے ہوں، سائل کو بھائی کہہ کر پکارتے ہیں، معاصرین اور مخالفین کا ادب و احترام سے نام لیتے ہیں، ماضی میں کسی موقع پر کوئی سخت بات ہوئی ہو تو معذرت بھی کرتے ہیں، بعض سلفی علماء کی درشت زبانی پر افسوس کا اظہار کرتے ہیں، تحریکوں پر صلابت و ثقاہت کے ساتھ نقد کرتے ہیں لیکن ان کی خیر کو تسلیم بھی کرتے ہیں۔ بعض مقامات پر امت کے لیے ان کی خیر خواہی اور فکر مندی کے جذبات دیکھ کر انسان آب دیدہ ہو جاتا ہے۔ بعض مقامات پر ان کا طاقت ور علمی استدلال دیکھ کر انسان ان کے مجدد اور مجتہد ہونے کا قائل ہو جاتا ہے۔ بعض جگہوں پر ان کا انکسار ان کی زبان سے کہلواتا ہے کہ فی الحال میرے پاس آپ کے سوال کا بس یہی جواب ہے۔

اللہ تعالیٰ شیخ البانی کی خدمات جلیلہ کو اپنی بارگاہ میں قبول و منظور فرمائے اور انھیں اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائے۔ آمین

علوم وفنون، افکار ونظریات اور تنظیموں وتحریکوں کے مرکز 'لاہور' میں عظیم الشان لائبریری

المکتبۃ الرحمانیۃ

اساتذہ، محققین اور اعلیٰ تعلیم کے طلبہ کی علمی ضروریات کا اہم مرکز ومرجع

خصوصیات

- ہمہ نوعیت کے موضوع پر 45 ہزار علمی و دینی کتابیں
- بین الاقوامی DDC لائبریری سکیم کے تحت مرتب شدہ
- لائبریری میں موجود کتب کو گھر بیٹھے سرچ کرنے کی آن لائن سہولت
- پاکستان میں 900 دینی رسائل وجرائد کے شماروں کا سب سے بڑا مرکز
- فاضل شخصیات اور ماہر لائبریرین کے ذریعے موضوع تک رہنمائی
- قدیم وجدید تحقیقات کے حامل جدید ایڈیشن
- عرب ممالک سے شائع ہونے والی نئی کتب کا مرکز
- فوٹو کاپی کروانے کی سہولت اور مسجد کا انتظام
- پرسکون محلِ وقوع اور تعلیمی اداروں کے سنگم میں

سہولیات

- جملہ اُردو عربی تفاسیر اور علومِ قرآن کی تمام کتب
- حدیث نبوی، شروحِ حدیث اور علومِ قرآن کے بیشتر مراجع
- فقہی مذاہب خمسہ کی اُمہات الکتب اور جدید فقہی موضوعات کا مستند ذخیرہ
- اسلامی سیاسیات و اقتصادیات اور عمرانیات وغیرہ سے متعلقہ بیش بہا خزانہ
- اسلامی قانون سے متعلقہ جملہ اہم پہلوؤں پر اَسلاف کا نادر علمی ورثہ
- Ph.D وغیرہ محققین کے لیے علمی رہنمائی اور مشاورت

اوقات: صبح 09:00 بجے تا شام 05:00 بجے (چھٹی بروز جمعہ)

ایئر کنڈیشنڈ ہال

بمقام: ادارہ 'محدث' 99/ جے ماڈل ٹاؤن، لاہور 042-35866396 لائبریرین: محمد اصغر 0305-4600861

Designing: AK 0321-4866404

www.kitabosunnat.com magazine.mohaddis.com

CPL No. 49
Vol. 55 No. 4

Monthly MUHADDIS Lahore

35866476
35866396

عناد اور تعصب قوم کے لیے زہرِ ہلاہل کی حیثیت رکھتے ہیں

لیکن تعصبات سے بالاتر رہ کر اِفہام وتفہیم اُمت کے لیے رحمت کا باعث ہے۔

علومِ جدیدہ سے ناواقفیت اور انکارِ انسانی ارتقاء کو تسلیم کرنے میں تحمل کا درجہ رکھتے ہیں

لیکن قدیم علومِ اسلامیہ کو فرسودہ قرار دینا اور مذہبی روایات کے حاملین کو دَقیانوس بتانا اُمت کی تباہی کا سبب ہے۔

غیر مذاہب کے بارے میں معاندانہ رویہ اختیار کرنا اسلامی اَقدار کے منافی ہے

لیکن دینِ اسلام پر غیر مذاہب کے حملوں کا دفاع نہ کرنا اور اسلام کی تبلیغ کا فریضہ سرانجام نہ دینا حمیتِ دینی اور غیرتِ اسلامی سے یکسر انحراف ہے۔

تبلیغِ دین اور اشاعتِ اسلام میں حکمتِ عملی کو نظرانداز کر دینا مصالحِ دینیہ کے خلاف ہے

لیکن حلال اور حرام کے امتیاز میں رَواداری برتنا اور قوانین ومسائلِ اسلامیہ کو نرم کر دینا اسلامی روح کو کمزور کر دینے کے مترادف ہے۔

آئین وسیاست سے بیگانہ ہو کر عبادت کے لیے گوشہ نشین ہو جانا زندگی سے فرار ہے

لیکن جدا ہو دین سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

جاہل کو دور ہی سے سلام کر دینا عبادِ صالحین کے اَوصاف میں داخل ہے

لیکن جاہلیت کو مٹانا اور باطل کا تعاقب کرنا عین جہاد ہے۔

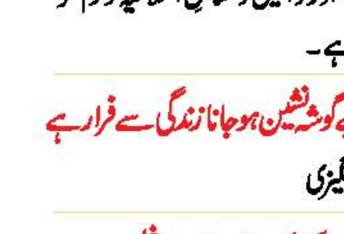

اگر آپ ایسا منصفانہ اور معتدلانہ رویہ پسند کرتے ہیں تو

ماہنامہ محدث لاہور

کا مطالعہ فرمایئے، آپ اس کو ان جملہ صفات ومحاسن سے مزین پائیں گے، اِن شاء اللہ!
کیونکہ اس کے مضامین اسی مخصوص طرزِ فکر کے حامل ہوتے ہیں۔

- قیمت فی شمارہ ۱۰۰ روپے
- زرِسالانہ ۶۰۰ روپے

Designing: AK 0321-4966404

ISLAMIC RESEARCH COUNCIL 99-J, Model Town, Lahore 54700